داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات:360، قیمت500 روپے

حصہ دوم سُورۃ آل عمران تا سُورۃ المائدہ
صفحات326، قیمت500 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ
صفحات331، قیمت500 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
صفحات394، قیمت550 روپے

حصہ پنجم سُورۃ مَریَم تا سُورۃ السَّجدۃ
صفحات480، قیمت750 روپے

حصہ ششم سُورۃ الاحزاب تا سُورۃ الحجرات
صفحات484، قیمت750 روپے

حصہ ہفتم سُورۃ قٓ تا سُورۃ النّاس
صفحات560، قیمت800 روپے

(مکمل سیٹ:4300 روپے)

مکتبہ خُدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

رجب المرجب ۱۴۴۱ھ
مارچ ۲۰۲۰ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- حصولِ ہدایت از کتابِ ہدایت
- جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی منازل
- انسان: تخلیقِ اوّل سے بعث بعد الموت تک

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ مِیۡثَاقَہُ الَّذِیۡ وَاثَقَکُمۡ بِہٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ۫ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 69
شمارہ : 3
رجب المرجب 1441ھ
مارچ 2020ء
فی شمارہ -/40

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک	400 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
رابطہ برائے ادارتی امور: +92 322 4585384
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ــــــــ 5
بے پردگی: بے حیائی کی طرف پہلا قدم — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القرآن ــــــــ 9
سورۃ الزُّخرف (آیات ۴۶ تا ۸۹) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ قرآن حکیم ــــــــ 25
جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی منازل — شجاع الدین شیخ

حقیقتِ انسان ــــــــ 36
انسان: تخلیقِ اوّل سے بعث بعد الموت تک! — راحیل گوہر

تذکّر و تدبّر ــــــــ 51
اَلْاَرْض: قرآن حکیم کی روشنی میں (۲) — ڈاکٹر محمد سرشار خان

فہمِ اسلام ــــــــ 69
وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ — محمد رضوان خالد چوہدری

دعوتِ فکر ــــــــ 77
قیامت تک باقی رہنے والا فتنہ — مسز بینا حسین خالدی

افکار و آراء ــــــــ 83
امریکہ کا مکروہ چہرہ — محمد ندیم اعوان

انوارِ ہدایت ــــــــ 89
حصولِ ہدایت از کتابِ ہدایت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بے پردگی: بے حیائی کی طرف پہلا قدم

اُمت مسلمہ کا درجنوں ممالک میں تقسیم ہونا یقیناً ایک سانحہ ہے۔ اس کی تقسیم جہاں غیروں کی سازش ہے وہاں اپنوں کی بے حمیتی‘ مفاد پرستی اور بزدلی کا بھی نتیجہ ہے۔ بہرحال آج کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں ۶۰ کے قریب اسلامی ممالک ہیں‘ اِن کی اپنی اپنی جغرافیائی حدود ہیں‘ جن کو اُنھوں نے مقدس سمجھ رکھا ہے۔ اگر یہ تقسیم ہوگئی تھی تب بھی ایک مسلمان ملک کا مطلب یہ ہونا چاہیے تھا کہ ایک ایسی ریاست جس میں اسلام کا عطا کردہ ضابطۂ حیات کارفرما ہو‘ لیکن افسوس صد افسوس! کسی ایک ملک میں بھی اِسلام کا عادلانہ نظام رائج نہیں۔ اِس دائرے کو مزید محدود اور چھوٹا کریں تو معلوم ہوگا کہ دو مسلمان ممالک ایسے ہیں جن کا اِسلام کے بغیر دنیا کے نقشے پر قائم رہنے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا‘ پہلا سعودی عرب اور دوسرا پاکستان۔

سعودی عرب اِسلام کی جنم بھومی ہے۔ محسن انسانیت‘ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول‘ محمد ﷺ عرب کے اِس خطے میں پیدا ہوئے‘ وہیں نبوت سے سرفراز ہوئے اور رسالت کا فریضہ ادا کیا۔ تن تنہا ایک نظریہ دیا‘ اُس نظریہ کی بنیاد پر حزب اللہ وجود میں آئی۔ پھر جہالت سے لَت پَت عرب کا یہ خطہ عظمت اور سرفرازی کا ایسا کوہِ نایاب بنا جس کی دنیا میں کوئی دوسری نظیر قائم نہ ہوسکی‘ نہ ہوگی۔ دوسرا ملک اِسلامی جمہوریہ پاکستان ہے‘ جو ریاستِ مدینہ کے بعد دنیا میں پہلی ایسی ریاست قائم ہوئی جس کی بنیاد صرف اور صرف اِسلام تھی۔ یہ ریاست ۲۷ رمضان المبارک (جس کا شبِ قدر ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے) کو معرضِ وجود میں آئی۔ قیام سے پہلے اِس ریاست کے معماروں نے واضح اعلان کیا تھا کہ کلمہ طیبہ اس ریاست کی بنیاد ہے اور قرآنِ پاک اِس کا آئین ہے۔ لیکن عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب جہاں سے اسلام کا آغاز ہوا تھا‘ اُس عرب کو ’’سعودی عرب‘‘ میں تبدیل کرنے کے لیے اُمت کی وحدت کو پاش پاش کر دیا گیا۔ سعودیوں نے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کا علَم بلند کیا۔ اُس وقت کی سپریم پاور انگریز نے اُن کی پیٹھ ٹھونکی۔ خطے میں اِسی طرح کے کچھ اور اقدام کیے‘ جن پر اس وقت بحث کرنا مقصود نہیں۔ بہرحال خلافت کا ادارہ ختم ہوگیا۔ اگرچہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر موجود ہے کہ اُس وقت خلافت کا یہ ادارہ تنکوں کے سہارے

قائم تھا اور اِس میں زندگی کی رمق نہ رہی تھی۔ محض ایک ٹوکن حیثیت تھی اور وحدتِ اُمت کا نشان تھی۔ اس کے بعد سعودی عرب میں اگرچہ اسلامی شعائر مسلسل زوال پذیر تھے‘ لیکن سعودی عرب کو اُمت کے نمائندہ کی حیثیت حاصل تھی اور سیاسی نظام میں مکمل طور پر ملوکیت دَر آنے کے باوجود معاشی نظام کسی قدر اور معاشرتی نظام مکمل طور پر محفوظ (intact) تھا۔ لیکن گزشتہ چند برسوں میں سعودی عرب نے اپنے معاشرتی نظام کے چیتھڑے اُڑا دیے ہیں اور وہ معاشرتی حوالے سے مغرب کی اندھا دھند تقلید کر رہا ہے۔ خواتین کی حرکات وسکنات پر ہر قسم کی پابندیاں ختم کر دی گئی ہیں۔ رقص و سرود کی محافل کا انعقاد ہو رہا ہے‘ سینما گھر تعمیر ہو رہے ہیں۔ گویا وہ سب کچھ خوب ہو چکا ہے جو کبھی ناخوب تھا اور شرم وحیا کا جنازہ بڑی دھوم سے نکلا ہے اور اب اُسے دفنانے کی تیاریاں زور وشور سے جاری ہیں۔

دوسرا اِسلامی ملک پاکستان ہے‘ جس کے بارے میں دعویٰ تھا کہ اس کی تعمیر کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ہوگی‘ لیکن پاکستان نے روزِ ازل سے اپنی تعمیر اِن بنیادوں پر اُٹھانے کی کوئی جِدّوجُہد نہیں کی۔ سیاسی حوالے سے شروع ہی میں اِسے جمہوریت ڈائن کی طرح چمٹ گئی۔ سودی معیشت اختیار کرنے کی وجہ سے معاشی لحاظ سے پاکستان کی حالت دنیا میں ایسی ہوگئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت سودی لین دین کرنے والے کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے‘ جیسے وہ باؤلا ہوگیا ہو۔ معاشرتی صورتِ حال پاکستان کی بھی آغاز میں قدرے اچھی تھی۔ مذہب کے ساتھ ساتھ مشرقیت کے آثار بھی تھے۔ بے پردگی‘ آزاد خیالی‘ قابلِ مذمّت ہوا کرتی تھی۔ عجب بات ہے کہ انگریز ہندوستان میں حکمران تھے۔ ہندوؤں سے ایسی قربت تھی کہ کندھے سے کندھا چھلتا تھا‘ لیکن پھر بھی مسلمانوں میں اسلامی معاشرت کے واضح آثار نظر آتے تھے‘ لیکن انگریز اور ہندو کے جانے کے بعد آزاد ہونے کے باوجود ہم نے خود پر مغربی تہذیب مسلّط کر لی۔ مغرب کی آندھی مشرقی عورت کا پردہ اُڑا کر لے گئی۔ آزادیٔ نسواں کا نعرہ یوں لگایا گیا جیسے وہ پہلے قید تھی‘ حالانکہ اغیار بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جو حقوق اسلام عورت کو دیتا ہے وہ کوئی دوسرا مذہب یا کوئی دوسری سوسائٹی نہیں دیتی‘ لیکن بھٹکے ہوئے لوگوں کو مادر پدر آزادی کی ضرورت تھی‘ اُن کا ٹارگٹ صرف پردہ نہیں بلکہ حیا‘ شرم اور غیرت تھی۔ بے پردگی پہلا قدم تھا۔ پھر یہ کہ مفاد پرستوں نے چونکہ حیا فروشی سے مال اکٹھا کرنا تھا لہٰذا عورت کو کمرشل اشتہار کا لازمی جزو بنا دیا گیا۔ دھوکہ فریب اور بددیانتی کا اندازہ کیجیے کہ عورت کے حقوق اور اس کی عزت افزائی کے نام پر اُسے مارکیٹ کی شے بنا دیا گیا۔ حسین اور حسین تر عورتوں کی تصاویر بازاروں میں سجاؤ اور اپنی

اشیاء فروخت کرو! عالمی ٹھگوں نے ایسے ضابطے اور قوانین بنا دیے کہ اِس بے حیائی کے خلاف آواز اُٹھانا اُلٹا عورت کے حقوق کی خلاف ورزی قرار دے دیا گیا۔ حال ہی میں راولپنڈی میں ایک بل بورڈ کو اُتار دیا گیا ہے‘ جس پر یہ قرآنی آیت درج تھی:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ﴾ (النور:۱۹)

’’بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔‘‘

بل بورڈ میں اس آیت کی روشنی میں عورتوں کی تصاویر کو بطور اشتہار استعمال کرنے کی مخالفت کی گئی تھی۔ پھر جب تنظیم اسلامی پاکستان نے اِس کے خلاف آواز اُٹھانے کے لیے اخبارات کو اشتہارات دیے تو روزنامہ ’’اسلام‘‘ کے سوا تمام اخبارات نے تنظیم کی آواز کے ساتھ آواز ملانے سے انکار کر دیا اور ادائیگی کے وعدے کے باوجود وہ اشتہار شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ ہے اس بے حیا مافیا کی زور آوری اور یہ ہے پاکستان کو ریاستِ مدینہ بنانے کے دعوے داروں کی کمزوری اور بزدلی۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور قرآن پاک دنیا کو دارالامتحان اور آخرت کو اُس کا ثمرہ قرار دیتا ہے۔ اللہ ربّ العزت نے قرآن پاک میں انسان کو زندگی کے نجی اور اجتماعی گوشوں میں رہنمائی عطا فرمائی اور اللہ کے رسول ﷺ نے تمام جزئیات کے ساتھ اور بڑی باریک بینی سے انسانوں پر اِس رہنمائی کو واضح کیا اور کھول کھول کر بیان کر دیا۔ فرد کو اِس کے فرائض اور اُس کے حقوق سے آگاہ کیا۔ اُسے بتایا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور بندوں کا حق ادا کرو۔ اجتماعی سطح پر معاشرتی‘ معاشی اور سیاسی اُصولوں سے آگاہی دی۔ اللہ تعالیٰ نے معیشت اور سیاست کے حوالے سے چند بنیادی اُصول بتانے پر اکتفا کیا‘ لیکن معاشرتی اور سماجی معاملات کی جزئیات کھول کر بیان کیں۔ عجب بات یہ ہے کہ آج کی بے خدا دنیا نے سیاست اور معیشت میں تو بہت جکڑ بندیاں لگائی ہیں لیکن معاشرت کو کسی حد تک کھلا چھوڑ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایک گھرانہ ایک یونٹ ہے‘ ایک ادارہ ہے اور مرد اِس کا سربراہ ہے۔ عورت اُس کی جیون ساتھی ہے۔ مرد کماتا ہے‘ عورت بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کرتی ہے۔ ان کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے‘ اگرچہ ہنگامی صورتِ حال میں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے استثناءً مل سکتا ہے۔ جبکہ مغرب نے خاندانی نظام کے تمام بندھن توڑ پھوڑ دیے ہیں اور رشتوں کے تقدس پر

کاری ضرب لگائی ہے۔ لہٰذا وہاں بوڑھے والدین اولاد کی ذمہ داری نہیں رہے‘ وہ اولڈ ہومز میں دیواروں سے سر ٹکراتے ہیں۔ شادی مہنگی پڑتی ہے‘ مزید یہ کہ ذمہ داریاں آن پڑتی ہیں‘ لہٰذا شادی نہیں ’’living together‘‘ کا تصور ہے۔ گویا گھر جو بنیادی یونٹ ہے‘ جس میں تشکیل معاشرہ کے لیے پہلی اینٹ رکھی جاتی ہے اُس بنیاد ہی کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ گھر کا یونٹ محبت‘ اخوت اور ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے‘ ابتدائی اخلاقیات کا درس دیتا ہے۔ اگر یہ بنیادی یونٹ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے تو انسانوں میں باہمی محبت اور اخوت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج رحمی رشتوں سمیت تمام رشتے دم توڑ رہے ہیں۔ بھائی کا بھائی سے‘ والدین کا اولاد سے تعلق خون ایک ہونے کی بنیاد پر نہیں‘ مفاد ایک ہونے کی بنیاد پر ہے۔ مفاد اگر ایک جیسا نہیں تو پھر کوئی تعلق کوئی واسطہ کوئی رشتہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ گھر ہر بچے کی پہلی درسگاہ ہے‘ اس درس گاہ میں سیکھا ہوا سبق تا حیات اپنے اثرات رکھتا ہے۔ اِس درس گاہ میں اگر اِسلامی معاشرت رائج ہے تو حیا اُس گھرانے کے فرد کا سرمایہ ہوگی۔ کفّار اگر آج ہمارے معاشرتی نظام پر بھرپور طور پر حملہ آور ہیں تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ سیاسی اور معاشرتی سطح پر اُن کی فتح اُدھوری اور نامکمل رہ جائے گی اور اُن کے مذموم عزائم کی تکمیل نہ ہو سکے گی اگر وہ ہمارے معاشرتی نظام کو تلپٹ نہیں کر پاتے۔ اسلام کے قلعہ کی یہ آخری اور مضبوط دیوار ہے۔ عالَمِ اسلام کا ہر فرد خاص طور پر مسلمانانِ عرب اور پاکستان کا چونکہ اسلام کے ساتھ خصوصی اور اضافی تعلق ہے‘ لہٰذا وہ کان کھول کر سن لیں کہ بے پردگی بے حیائی کی طرف پہلا قدم ہے اور عریانی‘ فحاشی کا شاہ درہ ہے‘ جبکہ فحاشی بدکاری کی راہیں کھول دیتی ہے‘ لہٰذا اصل احتیاط پہلے قدم پر لازم ہے۔ اے مسلمانو! پردے کو فرسودہ اور جہالت کہنے والوں کے عزائم پر غور کرو۔ کیا وہ آزادیٔ نسواں کے نام پر بے راہ روی کا درس نہیں دے رہے؟ کیا پردے کی دیوار پاش پاش کر کے عزتوں کو تار تار کرنے کے راستے نہیں کھولے جا رہے؟ کیا روشن خیالی کی چکاچوند اسلامی شعائر اور مشرقیت کو نظروں سے اوجھل نہیں کر رہی؟ اگر یہ درست ہے تو جنگ کے اِس پہلے محاذ پر ڈٹ جاؤ اور یہ نہ بھولو کہ گھر کی دیوار اگر گر جائے تو راہ گیر کو بھی گھر کے اندر سے راستہ بنانے سے روکا نہیں جا سکتا۔ آخر میں اللہ کا فیصلہ سن لیں جو حتمی ہے۔ ترجمہ: ’’بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔‘‘ (النّور:۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے تین گوشوں میں سے سیاسی اور معاشی گوشوں میں مغرب ہم پر حتمی فتح حاصل کر چکا ہے۔

(باقی صفحہ 98)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ الزُّخْرُف

آیات ۴۶ تا ۵۶

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ
رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا
یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَ
اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ نَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ
قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا
الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ۬ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ
مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ
فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾

آیت ۴۶ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ ”اور ہم نے بھیجا تھا موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف“

ان سے مراد وہ ابتدائی نشانیاں ہیں جنہیں لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں گئے تھے‘ یعنی عصا اور یدِ بیضا۔

﴿فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾﴾ ”تو اُس نے کہا کہ (دیکھو) میں تمام جہانوں کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔“

آیت ۴۷ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾ ”تو جب وہ آیا ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو وہ ان (نشانیوں) پر ہنسنے لگے۔“

آیت ۴۸ ﴿وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫﴾ ”اور نہیں دکھاتے تھے ہم انہیں کوئی نشانی مگر وہ اپنی بہن (اپنے جیسی پہلی نشانی) سے زیادہ بڑی ہوتی تھی“

یعنی ہم ان کو ایک سے ایک بڑھ کر نشانیاں دکھاتے رہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی مزید سات نشانیوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں ایک بہت بڑی نشانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ تھا‘ جس میں شکست کھا کر وہ ایمان لے آئے۔ مزید برآں مصر میں شدید قحط‘ ہولناک طوفانِ بادوباراں‘ ٹڈی دل کا خوفناک حملہ‘ چچڑیوں اور کھٹملوں کی بہتات‘ مینڈکوں کا اُمڈا ہوا سیلاب‘ کنوؤں اور چشموں کے پانی کا خون میں تبدیل ہو جانا‘ ایسی نشانیاں تھیں جن کا ظہور یکے بعد دیگرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیشگی اعلان کے بعد ہوتا اور آنے والی آفت اُس وقت تک نہ ٹلتی جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسے ٹالنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرتے۔ ان نشانیوں کا ذکر سورۃ الاعراف کے سولہویں رکوع میں ہوا ہے۔

﴿وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾ ”اور ہم انہیں پکڑتے رہے اس عذاب کے ذریعے‘ شاید کہ وہ باز آ جائیں۔“

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اصول اور قانون ہے کہ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے بڑے عذاب سے پہلے ان پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے جاتے ہیں۔ اس اصول کا ذکر سورۃ السجدۃ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ”اور ہم لازماً چکھائیں گے انہیں مزہ چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے‘ شاید کہ یہ لوگ پلٹ آئیں“۔ نوٹ کیجیے ان دونوں آیات کے اختتامی الفاظ ایک سے ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ﴾ ”اور (ہر عذاب کے موقع پر) وہ کہتے: اے جادوگر! تم اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو اُس عہد کی بنا پر جو اُس نے تم سے کر رکھا ہے۔“

سورۃ الاعراف میں یہ واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ جب وہ لوگ ایک عذاب سے تنگ آ جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور وعدہ کرتے کہ اگر ہماری یہ تکلیف دور ہوگئی تو:

﴿اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''ہم ضرور ہدایت پر آ جائیں گے۔''

سورۃ الاعراف میں ان کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿لَئِنۡ كَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرۡسِلَنَّ مَعَكَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اگر تم نے ہم سے اس عذاب کو ہٹا دیا تو ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی لازماً تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔''

آیت ۵۰ ﴿فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''پھر جب ہم دُور کر دیتے تھے ان سے وہ عذاب تو اُسی وقت وہ وعدے سے پھر جاتے تھے۔''

آیت ۵۱ ﴿وَنَادٰى فِرۡعَوۡنُ فِىۡ قَوۡمِهٖ﴾ ''اور فرعون نے اپنی قوم میں ڈھنڈورا پٹوا دیا''

﴿قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ مُلۡكُ مِصۡرَ﴾ ''اُس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟''

نوٹ کیجیے! یہ سیاسی شرک' شرک کی بدترین قسم ہے۔ حاکمیت صرف اللہ کی ہے' اس کے علاوہ جو کوئی بھی حاکمیت کا مدعی ہو' چاہے وہ ایک فرد ہو' ایک قوم ہو یا پوری نسلِ انسانی' وہ اللہ کے ساتھ برابری کا دعویدار ہے۔ اور فرعون نے خدائی کا دعویٰ اسی مدعیت کے ساتھ اور اسی مفہوم میں کیا تھا' ورنہ وہ زمین و آسمان کے خالق ہونے کا دعویدار تو ہرگز نہیں تھا۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ جس طرح تمام انسان پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اسی طرح پیدا ہوا ہے اور سب کی نظروں کے سامنے پلا بڑھا ہے۔ چنانچہ اس کے خدائی کے دعوے کی اصل حقیقت یہی تھی کہ وہ حاکمیتِ مطلق کا دعویدار تھا' جو کہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہے۔

Divine Rights of the Kings کا ذکر آپ کو اہلِ یورپ کی تاریخ میں بھی ملے گا۔ ان کے ہاں بھی قدیم زمانے سے یہ تصور چلا آ رہا ہے کہ بادشاہوں کو خدائی اختیارات حاصل ہیں' ان کا اختیار مطلق ہے' وہ final legislative authority ہیں۔ ان کی مرضی ہے وہ جو چاہیں قانون بنا دیں۔ جبکہ یہ سوچ اور یہ دعویٰ بدترین شرک ہے' جسے اہلِ یورپ نے دورِ حاضر میں جمہوریت کے نام سے عوام الناس میں تقسیم کر دیا ہے۔ چنانچہ جو گندگی کسی زمانے میں فرعون یا نمرود کے سر پر ٹنوں کے حساب سے لدی ہوتی تھی اسے انہوں نے تولوں اور

ماشوں میں تقسیم کر کے اپنے ہر شہری کی جیب میں ڈال دیا ہے' کہ یہ لو ووٹ کی اس پرچی کے بل پر اب تم میں سے ہر ایک حکومت میں حصہ دار ہے۔ اب تم اپنی اکثریت کے ذریعے جو قانون چاہو بنا لو۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں اس شیطانی فریب کو خوب بے نقاب کیا ہے۔ ابلیس کا ایک مشیر (اقبالؔ کے الفاظ میں) دوسرے مشیر سے کہتا ہے: ؎

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر؟
تُو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

کہ اب دنیا میں سلطانی جمہور (عوام کی حکمرانی) کے نام پر جو شور و غوغا اٹھا ہے وہ ابلیسی نظام کے لیے ایک بہت بڑا فتنہ اور خطرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہمارے سب ہتھکنڈوں کا توڑ ڈھونڈنے پر تُلا بیٹھا ہے۔ اگر انسانوں کا بنایا ہوا عوامی حاکمیت کا یہ سکّہ دنیا میں چل گیا تو ہمارا کاروبار تو ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ اس کی اس بات پر دوسرا مشیر کہتا ہے: ؎

ہوں' مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پردہ ہو کیا اس سے خطر!

کہ میں اس ''فتنے'' کی اصلیت سے خوب باخبر ہوں' بہر حال تشویش کی کوئی بات نہیں۔ یہ جمہوریت بھی ملوکیت ہی کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے: ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر!

اصل میں جب ہم نے دیکھا کہ انسان اپنے ''بنیادی حقوق'' کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حسّاس ہوتا چلا جا رہا ہے تو ہم نے ''شاہی'' کو ''جمہوری'' لباس پہنا کر اس کے سامنے لا کھڑا کیا ہے کہ لو بھئی اب تو تمہارا عام شخص بھی حاکم بن گیا ہے' اب تو ہر شہری کو شاہی اختیار میں سے برابر کا حصہ مل گیا ہے۔ لہٰذا سلطانیٔ جمہور کا یہ شوشہ ہماری ''ابلیسیت'' کے لیے کوئی خطرہ نہیں بلکہ ہمارا اپنا ہی تیار کردہ منصوبہ ہے۔

ملوکیت اور جمہوریت کی حقیقت کو اس مثال سے سمجھنا چاہیے کہ گندگی تو گندگی ہی ہے چاہے ٹنوں کے حساب سے کسی ایک شخص کے سر پر لاد دی جائے یا ایک کروڑ انسانوں میں تولہ تولہ ماشہ ماشہ تقسیم کر دی جائے۔ چنانچہ فرعون کو اسی ''خدائی'' کا دعویٰ تھا اور اس نے اپنی ''خدائی'' کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے اعلان کیا کہ لوگو! دیکھو کیا مصر کی حکومت میرے قبضے میں نہیں ہے؟

﴿وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ﴾ ”اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟“

اس فقرے کا مفہوم ہمارے ہاں عام طور پر یوں سمجھ لیا جاتا ہے جیسے فرعون نے اپنے محل کے نیچے بہنے والے دریا کا ذکر کیا تھا‘ جبکہ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ ملک کے اندر آب پاشی کا پورا نظام جس پر تمہاری معیشت کا انحصار ہے‘ میرے حکم کے تابع ہے۔ میں جسے چاہوں اور جس قدر چاہوں پانی مہیا کروں۔ جس کو چاہوں کم پانی دوں‘ جس کو چاہوں زیادہ دوں اور جسے چاہوں پانی سے محروم کر دوں‘ مجھے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ”تو کیا تم دیکھتے نہیں؟“

آیت ۵۲ ﴿اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ﴾ ”کیا میں بہتر نہیں ہوں اس سے جو ایک بے عزّت آدمی ہے؟“

میں مصر کی حکومت اور اس کے معاشی وسائل کا بلاشرکتِ غیرے مالک ہوں۔ کیا یہ موسیٰ میرا مقابلہ کر سکتا ہے جو محض ہماری محکوم قوم کا ایک فرد ہے!

﴿وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾﴾ ”اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا!“

یہ خطابت پر بھی قادر نہیں ہے اور اپنا مدعا واضح طور پر بیان نہیں کر سکتا۔

آیت ۵۳ ﴿فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ﴾ ”تو کیوں نہیں اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن؟“

اگر یہ واقعی اللہ کا فرستادہ ہے تو اللہ نے اسے سونے کے کنگن کیوں نہ مہیا کیے کہ ایک بادشاہ کے مقابلے میں جا رہے ہو‘ کم از کم یہ سونے کے کنگن ہی پہنتے جاؤ۔

﴿اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ”یا اس کے ساتھ فرشتے چلے آ رہے ہوتے صفیں باندھے ہوئے!“

آیت ۵۴ ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ﴾ ”تو (اس طرح) اُس نے اپنی قوم کی مت مار دی اور انہوں نے اُسی کا کہنا مانا۔“

یہاں پر لفظ اِسْتَخَفَّ بہت اہم اور معنی خیز ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ان کو بالکل ہی خفیف اور ہلکا سمجھا۔ مراد یہ ہے کہ اُس نے اُن کی عقل ہی گنوا دی‘ ان کو بے وقوف بنا لیا۔ اسی طرح آج کے سیاسی شعبدہ باز (demagogs) اپنے عوام کو نت نئے

طریقوں سے بے وقوف بناتے ہیں۔ کوئی ان کے سامنے روٹی کپڑا اور مکان کی ڈگڈگی بجاتا ہے تو کوئی اس مقصد کے لیے کسی دوسرے نعرے کا سہارا لیتا ہے۔ بقول اقبالؔ ابلیس کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ میں جب چاہوں ہر قسم کے انسانوں کو بے وقوف بنا سکتا ہوں: ؎

کیا امامانِ سیاست‘ کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو!

چنانچہ جب ابلیس یا ابلیس کا کوئی چیلہ عوام الناس کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ اندھوں کی طرح اپنے ”محبوب لیڈر“ کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ پھر نہ تو وہ سامنے کے حقائق کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی کسی علمی و عقلی دلیل کو لائقِ توجہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح فرعون نے بھی اپنے اقتدار کے رعب و داب کی ڈگڈگی بجا کر اپنی قوم کو ایسا متاثر کیا کہ وہ آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے ہو لیے۔ یہاں فَاَطَاعُوْهُ کے لفظ میں ان کے اسی رویّے کی عکاسی کی گئی ہے۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ”یقیناً وہ لوگ خود بھی نافرمان ہی تھے۔“

آیت ۵۵ ﴿فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ”تو جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا‘ پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔“

آیت ۵۶ ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ”چنانچہ ہم نے انہیں بنا دیا ماضی کی داستان اور بعد والوں کے لیے ایک نشانِ عبرت۔“

آیات ۵۷ تا ۶۵

وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ
قَالُوْۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَیْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ
هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَ جَعَلْنٰهُ
مَثَلًا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی
الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا
وَ اتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَا یَصُدَّنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۲﴾ وَ لَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ قَالَ قَدْ

جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾

آیت ۵۷ ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾﴾ ''اور جب (قرآن میں) ابنِ مریم کی مثال بیان کی جاتی ہے تو اس پر آپ کی قوم چلّانے لگتی ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشرکینِ مکّہ کی چیخ و پکار ایک تو سورۃ الانبیاء کی اس آیت کے حوالے سے تھی: ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾﴾ ''یقیناً تم لوگ اور جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تمہیں اس میں پہنچ کر رہنا ہے''۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ کے سوا جتنے معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اگر وہ سب جہنم کا ایندھن بنیں گے تو پھر عیسیٰؑ بھی تو ان ہی میں شامل ہوں گے' کیونکہ انہیں بھی تو دُنیا میں پوجا گیا ہے۔ حالانکہ اللہ کے مقابلے میں اگر فرشتوں' اللہ کے مقرب بندوں' جنّات اور بُتوں وغیرہ کی پرستش کی گئی ہے تو جہنم میں جھونکے جانے کا مصداق ملائکہ' انبیاء اور اولیاء اللہ تو نہیں ٹھہرتے۔ ظاہر ہے جو باطل ہوگا وہی جہنم میں جھونکا جائے گا۔ البتہ مشرکینِ مکّہ اسی دلیل کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر شدت کے ساتھ چیخنا چلّانا شروع کر دیتے تھے۔

دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشرکینِ مکّہ کے مخصوص ردِعمل کا باعث ان کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ موقف بھی تھا کہ آپؐ حضرت عیسیٰؑ کی تعریف و توصیف کے پردے میں نصرانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جس طرح ہم لات وعُزّیٰ وغیرہ کی پوجا کرتے ہیں اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو پوجتے ہیں۔ تو ایسا کیوں ہے کہ عیسائیوں کے معبود کی تو آپؐ تعریف کرتے ہیں اور ہمارے معبودوں کی مذمت؟ اس وجہ سے وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عیسائیت کو قبول کر لینے اور عیسائیت کی تبلیغ کرنے کے الزامات لگاتے تھے۔ بلکہ جب مکہ میں مسلمانوں نے نماز پڑھنا شروع کی تو مشرکینِ مکّہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ یہ لوگ ''صابی'' ہو گئے ہیں۔ صابی لوگ عراق میں آباد تھے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے پیروکاروں کی نسل میں سے تھے۔ اگرچہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصل دین کو تو بگاڑ دیا تھا لیکن ''نماز'' کسی نہ کسی شکل میں ان کے ہاں موجود تھی۔ چنانچہ نماز کی اس

مشابہت کے باعث مشرکینِ مکّہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صابی ہونے کا الزام بھی لگایا تھا۔ بہر حال مذکورہ دو وجوہات کی بنا پر مشرکینِ مکّہ حضرت عیسیٰؑ کے ذکر پر شدید ردِعمل کا اظہار کرتے تھے۔

آیت ۵۸ ﴿وَقَالُوا ءَأَٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟''

﴿مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾﴾ ''یہ باتیں وہ آپ سے نہیں کرتے مگر صرف جھگڑنے کو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔''

آیت ۵۹ ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَٰهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾﴾ ''وہ تو بس ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے خاص انعام فرمایا اور ہم نے اس کو ایک نشانی بنا دیا بنی اسرائیل کے لیے۔''

بنی اسرائیل کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں تھیں۔ آپؑ بن باپ کے پیدا ہوئے اور اپنی پیدائش کے فوراً بعد پنگھوڑے میں ہی آپؑ نے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ آپ کو خلقِ حیات اور احیاءِ موتیٰ سمیت اور بھی بہت سے معجزات عطا ہوئے تھے۔

آیت ۶۰ ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَٰٓئِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے بنا دیں جو زمین میں تمہارے جانشین ہوں۔''

آیت ۶۱ ﴿وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ ''اور یقیناً وہ قیامت کی ایک علامت ہے''

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ورودِ اوّل میں بنی اسرائیل کے لیے نشانی یعنی مجسم معجزہ تھے' جبکہ اپنے ورودِ ثانی میں آپؑ کا نزول قیامت کی علاماتِ کُبریٰ میں سے ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور قُربِ قیامت کے زمانے کی کیفیت احادیث میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔

﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾﴾ ''تو اس (قیامت) کے بارے میں تم ہرگز شک نہ کرو اور میری پیروی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَٰنُ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾﴾ ''اور (دیکھو) شیطان تمہیں روک نہ دے' بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یعنی ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اس صراطِ مستقیم کی پیروی سے روک دے جس کی طرف میں

بلا رہا ہوں۔ یہ مت بھولو کہ شیطان اس صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے والوں کا کھلا دشمن ہے اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے آزماتا ہے۔

آیت ۶۳ ﴿وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ﴾ ''اور جب آئے عیسیٰؑ واضح نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں''

یہاں پر ''حکمت'' کا لفظ بہت اہم ہے۔ اس حوالے سے قبل ازیں بھی بتایا جا چکا ہے کہ انجیل میں ''کتاب'' (شریعت) نہیں تھی، صرف حکمت تھی، جبکہ تورات ''کتاب'' پر مشتمل تھی۔ اس میں احکامِ شریعت تو تھے، حکمت نہیں تھی۔ دراصل نزولِ تورات کے زمانے میں نسلِ انسانی کا اجتماعی شعور ابھی اس قابل نہیں ہوا تھا کہ انہیں حکمت کی تلقین کی جاتی۔ اس لیے اس میں صرف احکام (commandments) دے دیے گئے تھے کہ یہ کرو اور یہ مت کرو۔ یعنی صرف اوامر و نواہی (do's and don'ts) کا ذکر کیا گیا تھا۔ حکمت کے لیے بعد میں انجیل آئی۔ البتہ قرآن میں کتاب (شریعت) بھی ہے اور حکمت بھی ہے۔ یعنی آخری کتاب ہونے کے حوالے سے یہ ماسبق تمام کتابوں کی جامع ہے۔

﴿وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾﴾ ''اور تاکہ میں واضح کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۶۴ ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ ہی ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، پس تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔''

آیت ۶۵ ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ﴾ ''پھر ان میں سے کئی گروہ باہم اختلافات میں مبتلا ہو گئے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو بڑے گروہوں کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ یہودی آپؑ کی مخالفت میں اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے آپؑ کو جادوگر، مرتد اور ولد الزّنا (نقلِ کفر، کفر نباشد) قرار دے دیا۔ ان کے مقابلے میں عیسائیوں نے دوسری انتہا پر جا کر آپؑ کو (نعوذ باللہ) اللہ کا بیٹا بنا دیا اور آپؑ کے بارے میں یہ عقیدہ بھی گھڑ لیا کہ آپؑ اپنے نام

لیواؤں کی طرف سے خود سولی پر چڑھ گئے ہیں اور یوں آپؑ کی یہ ''قربانی'' آپؑ کے ہر ماننے والے کے گناہوں کا کفارہ بن گئی ہے۔ بہرحال یہ دونوں رویے انتہائی غلط ہیں۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾﴾ ''پس تباہی اور بربادی ہے ان ظالموں کے لیے ایک دردناک دن کے عذاب سے۔''

آیات ۶۶ تا ۸۹

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ
اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ
وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ لَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ
الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَىِٕنْ
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ
اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلٰمٌ ؕ
فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

آیت ۶۶ ﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾﴾
''یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے قیامت کے کہ وہ آ جائے ان پر اچانک اور انہیں خبر بھی نہ ہو!''

آیت ۶۷ ﴿اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''بہت گہرے دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے' سوائے متقین کے۔''

دنیا کی تمام دوستیاں اُس دن دشمنیوں میں بدل جائیں گی' سوائے مؤمنینِ صادقین کی باہمی دوستیوں کے۔

آیت ۶۸ ﴿یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾﴾ ''(اُن سے کہا جائے گا:) اے میرے بندو! آج تم پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم رنجیدہ ہو گے۔''

آیت ۶۹ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''یعنی وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرماں بردار تھے۔''

آیت ۷۰ ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''داخل ہو جاؤ جنت میں تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی' تمہارا اعزاز و اکرام کیا جائے گا۔''

آیت ۷۱ ﴿یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ﴾ ''گردش کرائے جائیں گے ان پر سونے کی طشتریاں اور پیالے۔''

﴿وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾
''اور وہاں ہو گا وہ سب کچھ جس کی طلب ہو گی انسان کے نفس کو اور جس سے نگاہیں لذت حاصل کریں گی' اور تم اب اس میں ہمیشہ ہمیش رہو گے۔''

جنت کے پھول' باغیچے' مناظر اور اہلِ جنت کی بیویاں غرض وہاں کی ہر چیز انتہائی حسین اور دلکش ہو گی۔

آیت ۷۲ ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾ ''اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اُن اعمال کی بنا پر جو تم کرتے تھے۔''

یعنی جنت میں تمہارا داخلہ اور اس کی تمام نعمتیں تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہیں جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی قدر دانی اور قدر افزائی کا ایک شاہانہ انداز ہے جو قرآن میں جا بجا ملتا ہے۔ دوسری طرف بندوں کے اس اعتراف کا ذکر بھی قرآن میں تکرار کے ساتھ آیا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اس ضمن میں اہلِ جنت کا اعتراف سورۃ الاعراف میں بایں الفاظ نقل ہوا ہے: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ (آیت ۴۳) ''اور وہ کہیں گے کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا' اور ہم خود سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا۔''

آیت ۷۳ ﴿لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾﴾ ''اس میں تمہارے لیے بکثرت پھل موجود ہیں جن میں سے تم کھاتے ہو۔''

آیت ۷۴ ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾﴾ ''(اس کے برعکس) جو مجرم ہوں گے وہ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۷۵ ﴿لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾﴾ ''وہ ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں پڑے رہیں گے بالکل ناامید ہو کر۔''

انہیں جہنم سے چھٹکارا پانے کا کوئی امکان نظر نہیں آئے گا۔

آیت ۷۶ ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾﴾ ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''

آیت ۷۷ ﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ﴾ ''اور وہ ندا کریں گے کہ اے مالک! اب تو آپ کا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے۔''

مالک سے یہاں مراد جہنم کا داروغہ ہے۔ اہلِ جہنم اسے مخاطب کر کے فریاد کریں گے کہ اب ہم سے عذاب کی سختی مزید نہیں جھیلی جاتی۔ آپ اپنے رب سے کہیں کہ وہ ہمیں موت دے کر ہمارا قصہ تمام کر دے۔

﴿قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝۷۷﴾ ''وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو اب ہمیشہ (یہیں) رہنا ہے۔''

آیت ۷۸ ﴿لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝۷۸﴾ ''ہم تو تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تمہاری اکثریت حق کو ناپسند کرتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے تمہارے پاس سچا دین اور سچی تعلیمات پہنچا دی تھیں، لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے بیزار ہی رہے، جس کا نتیجہ آج تمہارے سامنے ہے۔

آیت ۷۹ ﴿اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۝۷۹﴾ ''کیا انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے؟ تو ہم بھی ایک قطعی فیصلہ کیے لیتے ہیں۔''

حق و باطل کی اس کشمکش میں مشرکینِ مکّہ نے اگر حق کو نہ ماننے کا ہی فیصلہ کر لیا ہے تو پھر ہم بھی ان کے بارے میں فیصلہ کر لیتے ہیں۔

آیت ۸۰ ﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ﴾ ''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور رازدارانہ مشوروں کو سنتے نہیں ہیں!''

﴿بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝۸۰﴾ ''کیوں نہیں (ہم سب کچھ سن رہے ہیں) اور ہمارے ایلچی ان کے پاس ہی لکھ رہے ہوتے ہیں۔''

ہماری خفیہ ایجنسی کے کارندے ہر وقت چوکنا رہتے ہیں اور لحہ بہ لحہ ساری رپورٹ تیار کرتے ہیں۔

آیت ۸۱ ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝۸۱﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہیے کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلا اس کی عبادت کرنے والا میں ہوتا۔''

کہ جب میں خدائے رحمٰن کو اپنا معبود مانتا ہوں اور اس کی پرستش کرتا ہوں، اگر واقعتاً اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کی پرستش کرنے میں مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ یہ نفی کا بہت تیکھا انداز ہے۔ اس اسلوب کو ''تعلیق بالمحال'' کہا جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی ایسا ہونے کا کوئی امکان ہے، اس لیے اس کی اولاد کو پوجنے کا بھی کوئی امکان نہیں۔ ''تعلیق بالمحال'' کا یہی اسلوب اس حدیث میں بھی پایا جاتا ہے: ((لَوْعَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا))[۲] ''اگر ابراہیم زندہ رہتا تو وہ صدیق نبی ہوتا۔''

ایک دفعہ ٹورنٹو (کینیڈا) میں ایک قادیانی نے میرے ساتھ بحث کے دوران نبوت کے تسلسل کو ثابت کرنے کے لیے اسی حدیث کا حوالہ دیا تھا۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے۔ اللہ کی مشیت کے مطابق ان کے زندہ رہنے کا کوئی امکان نہیں تھا، اس لیے نہ تو انہوں نے زندہ رہنا تھا اور نہ ہی نبوت کے سلسلے کو آگے چلنا تھا۔ بہر حال مذکورہ قادیانی نے اس حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ختم نہیں ہوئی۔ میں نے اس کے جواب میں دلیل کے طور پر اسی آیت کا حوالہ دیا تھا: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝﴾ کہ یہاں جو حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ تو کیا حضور ﷺ کا اللہ کے علاوہ کسی اور کو پوجنے کا کچھ بھی امکان تھا؟ اس پر اس نے تسلیم کیا کہ آپ کی یہ دلیل واقعتاً مضبوط ہے۔

آیت ۸۲ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۸۲﴾ ''پاک ہے آسمانوں اور زمین کا رب، عرش کا مالک، ان تمام چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔''

آیت ۸۳ ﴿فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کو چھوڑ دیجیے، یہ مین میخ نکالتے رہیں اور لہو و لعب میں پڑے رہیں''

﴿حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝۸۳﴾ ''یہاں تک کہ یہ ملاقات کر لیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔''

۲۔ صحیح الجامع الصغیر للالبانی، ح: ۵۲۷۲۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

آیت ۸۴ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝۸۴﴾ ’’اور وہی ہے جو آسمان میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی اِلٰہ ہے۔ اور وہ بہت حکمت والا‘ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔‘‘

یعنی پوری کائنات میں ہر جگہ اُسی کا اقتدار ہے۔ بائبل میں عیسائیوں کی جو Lord's Prayer ہے اس کا مفہوم اس آیت کے بہت قریب ہے:

Thy Kingdom come
Thy will be done on Earth as it is in Heavens

کہ اے اللہ! تیری ہی سلطنت اور تیری حاکمیت قائم ہو جائے اور تیری مرضی جیسے آسمانوں پر پوری ہو رہی ہے ویسے ہی زمین پر بھی پوری ہو۔ بہر حال الٰہ تو آسمانوں میں بھی وہی ہے اور زمین پر بھی وہی ہے۔ لیکن زمین پر انسانوں کو اس نے تھوڑی سی آزادی دے رکھی ہے کہ اگر کوئی انسان چاہے تو وہ نافرمانی اور ناشکری کی روش بھی اختیار کر سکتا ہے۔ بس زمین پر جو بھی فساد نظر آ رہا ہے وہ اس ’’ذرا سی‘‘ آزادی کا نتیجہ ہے۔ سورۃ الروم کی اس آیت میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ﴾ (آیت ۴۱) چنانچہ بحر و بر میں اگر ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا ہے تو وہ لوگوں کے کرتوتوں کے سبب ہے‘ ورنہ حکومت تو زمین پر بھی اللہ ہی کی ہے۔

آیت ۸۵ ﴿وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ﴾ ’’اور بہت بابرکت ہے وہ ذات جس کے اختیار میں ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور ان دونوں کے درمیان کی ساری چیزوں کی۔‘‘

فرعون کا خدائی کا دعویٰ تو صرف مصر کی حکومت تک محدود تھا‘ مگر اللہ کی حکومت واقعتاً آسمانوں اور دنیا و مافیہا پر محیط ہے۔

﴿وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۵﴾ ’’اور اُسی کے پاس ہے قیامت کا علم‘ اور اُسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۸۶﴾ ’’اور کوئی اختیار نہیں رکھتے کسی بھی شفاعت کا جن کو یہ پکار رہے ہیں اللہ کے سوا‘ سوائے اُس کے کہ جو حق کی گواہی دیں اور وہ جانتے ہوں۔‘‘

ظاہر بات ہے وہاں تو کوئی غلط بات زبان سے نہیں نکال سکے گا‘ لہٰذا وہاں پر گواہی صرف حق ہی کی ہوگی۔

آیت ۸۷ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ ’’اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے!‘‘

یعنی اگر آپ ان سے پوچھیں کہ خود ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہیں گے کہ اللہ نے۔ اس فقرے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اگر آپ ان سے ان کے معبودوں کے بارے میں پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو بھی وہ جواب میں کہیں گے کہ انہیں بھی اللہ نے ہی بنایا ہے۔

﴿فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝۸۷﴾ ’’تو پھر یہ کہاں سے پھیر دیے جاتے ہیں!‘‘

آیت ۸۸ ﴿وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸﴾ ’’اور قسم ہے نبی (ﷺ) کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لا رہے۔‘‘

یہ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کا انداز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہاں نقل ہوا ہے کہ اے میرے پروردگار! میری یہ قوم ہٹ دھرمی اور ضد پر اتر آئی ہے۔ نہ تو یہ لوگ میری باتوں کو سنتے ہیں اور نہ ہی بطور نبی کے میری تصدیق کرنے کو تیار ہیں۔

آیت ۸۹ ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے درگزر کیجیے‘‘

میرے خیال کے مطابق یہ سورۃ ۴ نبویؐ سے ۸ نبویؐ کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی ہے۔ اس وقت تک چونکہ حضور ﷺ کی دعوت کو شروع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا‘ اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان کی طرف سے اپنا رُخ پھیر لیں اور فی الحال انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

﴿وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ﴾ ’’اور کہیے سلام ہے!‘‘

اگر یہ لوگ آپ ﷺ سے اُلجھتے ہیں‘ دعوت کے جواب میں آپؐ سے استہزاء کرتے ہیں تو آپؐ ان کو سلام کہہ کر نظر انداز کر دیں۔ سورۃ الفرقان میں ہم نے ’’عباد الرحمٰن‘‘ کی جو صفات پڑھی ہیں ان میں ایک صفت یہ بھی ہے: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝۶۳﴾ ’’اور جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں جاہل لوگ تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔‘‘

﴿فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝۸۹﴾ ’’تو بہت جلد یہ لوگ جان جائیں گے۔‘‘

اب وہ وقت زیادہ دور نہیں جب حقیقت ان پر منکشف ہو جائے گی۔ بہت جلد حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت ہونے والا ہے۔ ❁❁❁

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۱۹)

جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی منازل

شجاع الدین شیخ ☆

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت

آج ہماری گفتگو کا موضوع ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔ اس موضوع کے حوالے سے ہمارے ہاں بہت مغالطے ہیں۔ ذیل میں ہم چند قرآنی آیات کا مختصر مطالعہ آپ کے سامنے رکھیں گے جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہر بندۂ مومن کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے عمل میں مصروف ہونا لازم ہے۔

- سب سے پہلے سورۃ الحج کی آیت ۷۸ کو دیکھیں جس میں فرمایا گیا: ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ﴾ ''اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں جیسا کے اس کے (راستے میں) جہاد کا حق ہے''۔ یہ تاکیدی اسلوب میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم ہے۔
- اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا عملی ثبوت جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾

''کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ!) اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے رشتے دار اور وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں خسارے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جو تمہیں بہت پسند ہیں، اگر تمہیں زیادہ محبوب ہیں

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت، تنظیم اسلامی

اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا فیصلہ (یعنی تمہاری موت)۔ اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

گویا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عملی محبت کا اظہار جہاد فی سبیل اللہ کا عمل ہے۔

- دل میں ایمانِ حقیقی ہونے کی لازمی علامت کے حوالے سے سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''مؤمن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی لوگ ہیں جو (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔''
- ہدایت کے حصول کا یقینی ذریعہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۶۹ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ﴾ ''اور جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنے راستوں کی ہدایت دیتے ہیں۔''
- جہاد فی سبیل اللہ روزِ قیامت دردناک عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ سورۃ الصّف میں فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں بچا لے دردناک عذاب سے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جان لو۔''

- جہاد فی سبیل اللہ کو قُربِ الٰہی اور فلاحِ اُخروی کے حصول کا یقینی ذریعہ بتایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اس کی قربت تلاش کرو اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

قرآن مجید کے چند مقامات سے جن کا یہاں ذکر ہوا‘ جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم اور لزوم

اب ہم جہاد فی سبیل اللہ کے مفہوم کو سمجھتے ہیں۔ لفظ ’جہد‘ ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں جس کے معنی کوشش کرنا ہے۔ اسی سے لفظ ’جہاد‘ بنا بمعنی کشاکش یعنی کوششوں کا باہم ٹکرانا۔ شیطان بندۂ مسلم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بندہ حق پر قائم رہنے کی کوشش کرتا ہے‘ چنانچہ کوشش کے مقابلے میں کوشش جہاد ہے۔ یہ کوششیں مختلف نوعیتوں کی ہوسکتی ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ ایسی کشاکش کو کہتے ہیں جس کا مقصد اللہ کے دین کی سربلندی ہو۔ ایک متفق علیہ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی بہادری کے اظہار کے لیے جنگ کرتا ہے‘ ایک آدمی اپنے قبیلے کے حمایت میں لڑتا ہے اور ایک آدمی دکھلاوے کے لیے لڑتا ہے (کیا انہیں بھی فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے شمار کیا جاسکتا ہے؟) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ)) ’’جس نے اس لیے جنگ کی تاکہ اللہ کا کلمہ سربلند ہوجائے پس وہی شخص اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے۔‘‘

جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کوشش ہر مسلمان پر فرض ہے‘ کیونکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کا نفاذ حقوق اللہ میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المائدہ کی یکے بعد دیگرے آنے والی تین آیات میں احکام الٰہی کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو کافر‘ ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت ۴۴ میں فرمایا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ’’جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر ہیں‘‘۔ آیت ۴۵ میں فرمایا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ’’جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی ظالم (یعنی مشرک) ہیں‘‘۔ جب کہ آیت ۴۷ میں ارشاد ہوا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ’’جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی فاسق (یعنی باغی) ہیں‘‘۔ مزید برآں‘ اللہ کے دین کا نفاذ حقوق العباد میں سے بھی ہے‘ کیونکہ عدل وانصاف صرف اور صرف اللہ کے عطا کردہ نظام یعنی نظامِ خلافت کے قیام سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا بندوں کو ظلم وستم سے

بچانے کے لیے عدل کا علمبردار بن کر کھڑا ہونا ہماری ذمہ داری ہے۔ بندوں کی سب سے بڑی خدمت ان کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانا ہے۔ سورۃ النساء‘ آیت ۱۳۵ میں فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ ’’اے ایمان والو! کھڑے ہوجاؤ عدل کے علمبردار بن کر گواہ ہوتے ہوئے اللہ کے‘‘۔ کبھی یہ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری تھی‘ اس بارے میں سورۃ الشوریٰ‘ آیت ۱۵ میں رسول اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ﴾ ’’اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں‘‘۔ ختمِ نبوت کے نتیجے میں آج یہ ذمہ داری اُمت کے کاندھوں پر ہے۔ اس ضمن میں سب سے بڑا مغالطہ یہ لاحق ہوا کہ جہاد کو صرف قتال یعنی جنگ کے معنی دے دیے گئے۔

مزید یہ کہ جہاد ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے‘ لیکن اسے محض قتال سمجھتے ہوئے فرضِ کفایہ قرار دے دیا گیا‘ حالانکہ قتال کبھی کبھی ہوتا ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ ایک مستقل عمل ہے۔ اور پھر یہ کہ مسلمانوں کی ہر جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دے دیا گیا‘ جس سے اس مقدس اصطلاح کا تقدس بری طرح مجروح ہوا۔ یہ وہ چند مغالطے ہیں جو زبان زدِ عام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مغالطوں سے محفوظ رکھے اور جہاد فی سبیل اللہ کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی منازل اور ذرائع

اب ہم جہاد فی سبیل اللہ کی منازل پر گفتگو کریں گے۔ جہاد کی پہلی منزل ذاتی زندگی میں اللہ کی کامل بندگی کے لیے جہاد کرنا ہے۔ دوسری منزل اللہ کی بندگی کی دعوت دوسروں تک پہنچانا ہے اور تیسری منزل اللہ کی بندگی کے نظام کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔

جہاد کی پہلی منزل: جہاد کی پہلی منزل ذاتی زندگی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت کے لیے جہاد کرنا ہے۔ اس منزل پر جہاد کے تین مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ نفس کے خلاف جہاد ہے۔ سنن ترمذی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ)) ’’مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے‘‘۔ اللہ کی بندگی کے حوالے سے ایک بڑی رکاوٹ یہ نفس پیدا کرتا ہے۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل ہوا ہے: ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ’’اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا‘ کیونکہ نفس تو بُرائی ہی

سکھانے والا ہے‘ سوائے اُس کے کہ جس پر میرا رب رحم فرمائے‘‘۔ نفسِ امارہ ہمیں گناہ کی طرف لے جانا چاہتا ہے‘ لہٰذا ہمیں کوشش کر کے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

دوسرا مرحلہ شیطان کے خلاف جہاد ہے۔ ذاتی زندگی میں اللہ کی کامل بندگی کے لیے دوسری بڑی رکاوٹ شیطان ہے۔ سورۂ فاطر کی آیت ۶ میں ہمیں متنبہ کیا گیا ہے: ﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡہُ عَدُوًّا ؕ﴾ ’’بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے‘ پس تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو‘‘۔ شیطان ہمارا دشمن ہے‘ لہٰذا وہ ہمیں گناہ کی طرف لے جانا چاہتا ہے‘ جبکہ ہماری کوشش اللہ کی اطاعت پر کاربند رہنا ہے۔

تیسرا مرحلہ بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جہاد ہے۔ بگڑا ہوا معاشرہ انسان کو دنیا داری کے مقابلے میں داخل کرتا ہے۔ دنیا میں بندوں کی آزمائش کے لیے چمک دمک رکھی گئی ہے۔ بگڑے ہوئے معاشرے کے لوگ اسی دنیا کے بندے بن جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کے چنگل میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ برے لوگ معاشرے کو برائی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ بندۂ مؤمن کو خیر کی طرف آنا اور برائی سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۶ میں واضح کر دیا گیا: ﴿وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ﴾ ’’اور جو لوگ زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم ان کی اکثریت کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کا راستہ بھلا دیں گے۔‘‘

جہاد فی سبیل اللہ کی منازل کے ساتھ ساتھ ان کے ذرائع کے بارے میں بھی جان لیتے ہیں۔ چنانچہ پہلی منزل پر جہاد کے ذرائع میں اوّلین اور اہم ترین ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا گیا: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ مَّوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ وَہُدًی وَّرَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۷﴾﴾ ’’لوگو! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور باطنی بیماریوں کی شفا اور مؤمنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے‘‘۔ اس آیت میں تمام نفسانی بیماریوں کے لیے شفا‘ شیطان کے حملوں کا علاج اور غلط معاشرتی رجحانات کا توڑ بتایا گیا ہے۔ دوسرا ذریعہ انفاقِ مال ہے۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا تزکیۂ نفس کا اہم ذریعہ ہے۔ سورۃ التوبہ‘ آیت ۱۰۳ میں ارشاد ہوا: ﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا﴾ ’’(اے نبی ﷺ) ان کے مال میں سے صدقہ لیجئے کہ اس سے آپ ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہیں‘‘۔ تیسرا ذریعہ بذلِ نفس ہے یعنی اللہ کی

اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے جان کھپانا۔ چوتھا ذریعہ پاکیزہ ماحول سے وابستگی ہے۔ سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ’’اے اہل ایمان! اللہ کی نافرمانی سے بچو اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ۔‘‘

جہاد کی دوسری منزل: جہاد کی دوسری منزل دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینے کے لیے جہاد ہے اور اس منزل پر بھی تین مراحل درپیش ہوتے ہیں۔ سورۃ النحل‘ آیت ۱۲۵ میں ارشاد ہوا: ﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) بلایئے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے اور درد بھری نصیحت سے اور ان سے بحث کیجئے عمدہ طریقے سے‘‘۔ اس آیت میں پہلا مرحلہ حکمت کے ذریعے دعوت دینے کا بیان ہوا یعنی دلائل کے ساتھ معاشرے کی ذہین اقلیت کو دین کی طرف متوجہ کرنا۔ جیسے جسم میں دماغ کا وزن بہت تھوڑا ہوتا ہے مگر یہ پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے‘ اسی طرح معاشرے میں غور و فکر کرنے والے کم مگر بہت مؤثر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دلائل کے ساتھ دعوت پیش کرنی ہے۔ دوسرا مرحلہ موعظۂ حسنہ ہے یعنی درد بھری مؤثر نصیحت کے ذریعے عوام الناس کو غفلت سے نکال کر دین پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرنا۔ عوام کی اکثریت سادہ لوح لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے‘ ان کے ذہن فلسفیانہ نہیں ہوتے‘ لہٰذا ان پر درد بھرے وعظ ہی اثر انداز ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے: ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے!

تیسرا مرحلہ مجادلۂ احسن ہے یعنی اعتراضات کرنے‘ فتنے اٹھانے اور گمراہ کن نظریات کا پرچار کرنے والوں کے ساتھ شائستہ اسلوب سے مباحثہ کرنا۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو نہ مانیں گے اور نہ ماننے دیں گے اور ایسے ایسے اعتراضات اٹھائیں گے کہ جو مان چکے ہیں ان کے بھی ذہن خراب ہوں گے۔ لہٰذا جو مان چکے ہیں ان کو بچانے کے لیے ایسے لوگوں کو بھی دعوت دینے کی ضرورت ہے جو اعتراضات اٹھاتے ہیں۔ کم از کم ان کے فتنوں کا توڑ تو ہو‘ تاکہ جو دعوت قبول کر چکے ان کو محفوظ رکھا جائے اور جو قبول کر سکتے ہیں ان کو اس قسم کے فتنہ پرور اعتراضات سے بچایا جا سکے۔

دوسری منزل پر جہاد کے چند ذرائع ہیں‘ جن میں سب سے پہلے نمبر پر غفلت سے نکالنے‘ اشکالات دور کرنے اور باطل نظریات کا رد کرنے کے لیے قرآن حکیم ہی آتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں فرمایا گیا: ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝۵۲﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) ان سے جہاد کیجیے اس (قرآن) کے ذریعے بڑا جہاد‘‘۔ یہ مکی دور کی آیت ہے جب قتال کا حکم نہیں آیا تھا۔ مکی دور کا جہاد یہی تھا کہ فتنہ اٹھانے والوں کے رد میں قرآن کے دلائل سے ان کے سامنے بات رکھی جا رہی تھی۔ اسی طرح سورۃ المائدۃ‘ آیت ۶۷ میں ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ ’’اے رسول (ﷺ!) پہنچا دیجیے جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے‘‘۔ دوسرا ذریعہ زبان اور قلم یعنی تقریر اور تحریر کے ذریعے دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا اور مخالفانہ نظریات کی نفی کرنا۔ تیسرا ذریعہ انفاقِ مال یعنی دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے مختلف امور پر خرچ کرنا۔ چوتھا ذریعہ بذلِ نفس یعنی دینی تعلیمات سیکھنے اور عام کرنے کے لیے اپنی توانائی خرچ کرنا اور وقت لگانا۔ پانچواں ذریعہ کسی اجتماعیت یا ادارے سے وابستہ ہونا‘ کیونکہ اجتماعیت میں رہتے ہوئے دعوتِ دین کا کام زیادہ مؤثر انداز سے کیا جا سکتا ہے۔

جہاد کی تیسری منزل: جہاد کی تیسری منزل اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جہاد ہے اور یہ وہ گوشہ ہے جسے آج اُمت نے فراموش کیا ہوا ہے۔ کبھی یہ فریضہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا تھا‘ اور ختمِ نبوت کے بعد اب یہ اس اُمت کا فریضہ ہے۔

تیسری منزل پر جہاد کے لیے بھی تین ہی مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ صبرِ محض کا ہے۔ جب ہم اس منزل پر کام کریں گے تو باطل نظام اور اس کے مراعات یافتہ طبقے پر ضرب پڑے گی جس کے نتیجے میں تصادم کا مرحلہ بھی آ سکتا ہے۔ حق کے علمبرداروں کے خلاف باطل نظام سے وابستہ افراد مختلف ہتھکنڈے استعمال کر سکتے ہیں۔ اولین دور میں حق کے علمبرداروں کو صبرِ محض کی پالیسی اختیار کرنی پڑے گی۔ صبرِ محض کے مرحلے میں ہر طنز و تشدد کے مقابلے میں جوابی اقدام کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہنا ہے۔ مکی دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اسی روش کی تلقین کی گئی تھی۔ اس کا حکم سورۃ النساء کی آیت ۷۷ میں آیا: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ...﴾ ’’کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو.....‘‘ مکی دور کے تیرہ برس کے دوران صبرِ محض کی پالیسی اختیار کی گئی تاکہ نظامِ باطل کے پاس

انقلابی جماعت کو مکمل طور پر کچلنے کا اخلاقی جواز پیدا نہ ہو۔ برائی کا جواب بُرائی سے نہ دے کر‘ بلکہ خاموش رہ کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کی حمایت حاصل کر کے اپنی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور ساتھیوں کی تربیت کے لیے مہلت حاصل کی جا سکے۔ ساتھیوں میں انتقام کا جذبہ پکایا جائے تاکہ آنے والے وقت پر باطل کے خلاف بھرپور وار کیا جا سکے۔ یہ اس پالیسی کی چند حکمتیں ہیں جو آج بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہیں جتنی دورِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تھی۔ چودہ صدیاں پہلے رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا کیا تھا اور آج بھی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جدوجہد انہی خطوط پر کرنی ہے۔

تیسری منزل پر جہاد کا دوسرا مرحلہ اقدام یعنی مناسب قوت و اسباب فراہم ہوتے ہی نظامِ باطل کو چھیڑنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے چھ ماہ بعد قریش کی تجارت کے خلاف اقدام فرمایا تھا۔ غزوۂ بدر سے پہلے حضور ﷺ نے ان تجارتی راستوں کو بلاک کرنے کے لیے آٹھ دستے روانہ فرمائے جن پر قریش کے قافلوں کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ اسی کے نتیجے میں تیسرا مرحلہ مسلّح تصادم کا آتا ہے۔ اقدام کے نتیجے میں نظامِ باطل کے ردِعمل کا پامردی سے مقابلہ کیا گیا۔ جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ ترین صورت قتال فی سبیل اللہ ہے اور یہ مرحلہ غزوۂ بدر سے فتح مکہ تک جاری رہا۔

تیسری منزل پر جہاد کے ذرائع میں سب سے پہلا انفاقِ مال یعنی جنگی ضروریات کے لیے خوراک‘ ہتھیار اور دیگر وسائل کے لیے مال خرچ کرنا ہے۔ پھر بذلِ نفس یعنی نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آ جانا اور شہادت کی آرزو کے ساتھ مردانہ وار لڑنا یا جنگ کے دوران کوئی بھی ذمہ داری ادا کرنا ہے۔

اس ضمن میں اہم ترین بات یہ کہ ایسی جماعت میں شامل ہونا جو سمع و طاعت کے اصول پر منظم کی گئی ہو۔ جب باطل سے ٹکراؤ ہو تو ڈھیلی ڈھالی جماعت نہیں چلے گی‘ بلکہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو اپنے امیر کی ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے کھڑی ہونے کے لیے تیار ہو‘ جس کے لیے فوجی ڈسپلن درکار ہے۔ جامع ترمذی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ‘ اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ’’میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں‘ جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے: جماعت اختیار کرو‘ سنو‘ اطاعت کرو‘ ہجرت کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو‘‘۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تقاضوں پر

عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں دو اہم نکات

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں دو اور نکات ہمارے سامنے رہنے چاہئیں۔ پہلا یہ کہ پہلی دو منزلوں کا جہاد اسی وقت جہاد فی سبیل اللہ ہوگا جبکہ تیسری منزل یعنی غلبۂ دین پیش نظر ہو۔ اللہ کی راہ میں وہی ہے جو اس لیے محنت کر رہا ہے کہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو‘ انفرادی سطح پر بھی‘ دعوت کے میدان میں بھی اور اس سے آگے بھی۔ دوسرا نکتہ یہ کہ باطل نظام کافرانہ‘ مشرکانہ اور فاسقانہ ہے‘ لہٰذا اس کے تحت زندگی بسر کرنا گناہ ہے۔ اس کا کفّارہ یہ ہے کہ اس نظام کو مٹانے اور اس کی جگہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے مسلسل جدّوجہد کی جائے۔ آج ہم جن مسلمان معاشروں میں رہ رہے ہیں وہاں اللہ کے خلاف بغاوت ہو رہی ہے۔ سود کے دھندے بھی جاری ہیں‘ بے حیائی کا طوفان بھی برپا ہے‘ غیروں کے قوانین بھی نافذ ہیں‘ لہٰذا اس کے خلاف جدّوجہد کرنا ہم سب پر لازم ہے!

قتال اور اس کی شرائط

یاد رکھیں کہ جہاد عام ہے اور قتال خاص۔ جہاد ہمیشہ ہوگا جبکہ قتال کا معاملہ خاص وقت پر ہوگا۔ جہاد کی اعلیٰ ترین صورت قتال ہے۔ جہاد ہر مسلمان پر ہر وقت فرض ہے‘ اس تعلق سے ایک حدیث ہمارے سامنے ہے۔ سنن ترمذی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ))

’’جہاد جاری ہے اس وقت سے جب اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا تھا اور یہ جاری رہے گا اس وقت تک جب کہ میری اُمت کا آخری حصہ دجّال سے جنگ کرے گا۔‘‘

آج جب ایک امیر کی قیادت میں ایک منظّم انقلابی جماعت وجود میں آجائے اور جماعت کے فدائین معاشرے میں اپنے سیرت و کردار کا اثر قائم کر دیں‘ جماعت معاشرے میں دعوت پہنچانے کا حق ادا کر دے۔ اس کے بعد اسباب کے حوالے سے فتح کا غالب امکان محسوس ہو اور متحارب گروہ سے اگر کوئی معاہدہ ہو تو اسے علی الاعلان ختم کر دیا گیا ہو تو یہ انقلابی جماعت ’اقدام‘ کا

اعلان کر دے گی —— سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا: ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝۵۸﴾ ’’اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو)۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا‘‘۔ قریش نے صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی معاہدے کے خاتمے کا اعلان فرما دیا جس کے بعد فتح مکہ کا اقدام ہوا۔

یہ قتال فی سبیل اللہ کی چند شرائط ہیں۔ مزید برآں ہمیں اپنے ملک کے حالات کے تناظر میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ہر نبی کی سنّت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا اصل اور اوّلین میدان اپنا علاقہ ہوتا ہے۔ اگر وہاں غلبۂ دین کی جدّوجہد ممکن نہ رہے تو ایسی جگہ ہجرت کی جا سکتی ہے جہاں دین کی خدمت کرنا ممکن ہو۔ جب قومیں اپنے پیغمبروں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئیں تب انہوں نے ہجرت کی‘ جیسے مکہ والے جب حضور ﷺ کی جان کے درپے ہو گئے تو آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی‘ اور پھر واپس مکہ مکرمہ تب آئے جب جزیرہ نمائے عرب پر دین کا غلبہ ہوا۔

پُرامن اور غیر مسلّح منظّم احتجاج

قتال فی سبیل اللہ کے ضمن میں مسلم معاشروں میں مشکلات پیش آتی ہیں‘ کیونکہ مقابلہ باطل نظام کے محافظ کلمہ گو مسلمانوں سے ہوتا ہے۔ کلمہ گو حکمرانوں سے تصادم کے لیے دو شرائط بیان کی گئی ہیں۔ حکمران کھلّم کھلا کفر کا نفاذ کر رہے ہوں اور مناسب اسباب کی اس حد تک فراہمی ہو کہ فتح کا غالب امکان محسوس ہو۔ فی زمانہ یہ خاصا دشوار نظر آتا ہے۔ موجودہ دور میں اسباب یعنی ہتھیاروں اور عسکری تربیت کے اعتبار سے حکومت اور عوام میں بہت زیادہ عدم توازن کے باعث حکومت کے ساتھ مسلّح تصادم کی صورت میں فتح کا امکان محسوس نہیں ہوتا۔ آج حکومت کے پاس تنخواہ دار افواج (standing armies) ہیں‘ جبکہ عوام اکثر و بیشتر نہتے ہوتے ہیں۔ اس مخصوص تناظر میں ایک متبادل طریقہ کار کی ضرورت ہے‘ لہٰذا آج کے دور میں اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ پرامن اور غیر مسلح منظم احتجاج کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے۔ اس احتجاج کے دوران کسی ایسے منکر کے خلاف اُٹھنا ہوگا جس کا خلافِ شرع ہونا تمام دینی طبقات کے نزدیک مسلّم ہو۔ مثلاً سود حرام ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ سود کے

خاتمے کا اعلان کرو۔اسی طرح فحاشی وعریانی کے خاتمے کا مطالبہ کیا جائے۔ایسے منکر کے خلاف اقدام ریاستی اداروں کے پرامن گھیراؤ' دھرنے یا سول نافرمانی کی تحریک کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ان پرامن اور منظم مظاہروں کے ذریعے حکومتِ وقت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس منکر کا قلع قمع کر کے اللہ کی حدود کو نافذ کرے۔پھر یکے بعد دیگرے منکرات کے خاتمے کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر لوگ بجلی' گیس' پانی اور withholding tax کے لیے کھڑے ہوسکتے ہیں اور اپنی جماعتوں کے سربراہان اور حاکموں کے لیے کھڑے ہوسکتے ہیں تو انہیں اللہ کی شریعت کے نفاذ کے لیے بھی کھڑا ہونا چاہیے۔اگر حکومت مطالبہ تسلیم نہیں کرتی تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اُسوہ پر عمل کیا جائے گا جنہوں نے مکی دور میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں لیکن کوئی جوابی اقدام نہ کرتے ہوئے اپنے موقف پر ڈٹ کر صبر کا مظاہرہ کیا۔

ممکنہ نتائج میں پہلا امکان یہ ہے کہ حکومت ان مظاہروں کے نتیجے میں پسپائی اختیار کرے اور منکرات کے خاتمے اور حدود اللہ کے نفاذ کا آغاز کرے۔اس کے برعکس یہ بھی امکان ہے کہ حکومت انقلابی تحریک کو اپنے خلاف انا کا مسئلہ بنالے اور اپنی بقا اور مفادات کے تحفظ کے لیے تحریک کو مکمل طور پر کچلنے کا فیصلہ کرے۔اس صورت میں ممکن ہے کہ عوام تحریک کے ساتھ کھڑے ہوجائیں اور حکومت کی مسلّح افواج (armed forces) سے وابستہ افراد بھی کہیں کہ یہ لوگ شریعت کا نفاذ ہی تو چاہتے ہیں' لہٰذا ہم ان پر گولی نہیں چلائیں گے تو حکومت پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہوگی۔اور اگر تحریک کچل بھی دی جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی اور کو کھڑا کردے گا' کیونکہ یہ کام تو ہونا ہے۔صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ' فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا' وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا))

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا' پس میں نے اس کے تمام مشرق ومغرب دیکھ لیے' اور میری اُمت کی حکومت زمین پر وہاں تک پہنچ کر رہے گی جو میرے لیے لپیٹ دی گئی۔''

اللہ ربّ العزت ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کے اس تصور اور اس کی منازل اور مراحل کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یاربّ العالمین! ❁❁❁

انسان: تخلیقِ اوّل سے بعث بعد الموت تک!

راحیل گوہر☆

''کُن فیکون'' کے تحت معاملات عالَمِ امر (آسمانوں) میں طے کیے جاتے ہیں۔عالَمِ امر میں زمان ومکاں (Time and Space) کی کوئی قید نہیں ہوتی۔اسی لیے وہاں اپنے وجود کی تکمیل پانے والی ہستیاں' ملائکہ اور ارواحِ انسانیہ بھی زمان ومکاں کی محدودیت سے ماوراء ہیں۔ان کے لیے شرق وغرب' عرش سے فرش اور فرش سے عرش تک کا سفر کرنے کے لیے وقت اور فاصلہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اسی عالَمِ امر میں روزِ ازل سے روزِ ابد تک آنے والی تمام انسانی ارواح کو تخلیق کیا گیا' جو اُس وقت چیونٹیوں کی صورت میں لشکروں کی مانند تھیں۔ان کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت زندگی' شعور اور گویائی عطا کی' از روئے قرآن حکیم:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ﴾ (الاعراف:۱۷۲)

''اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے ربّ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ انہوں نے بیک وقت کہا: ضرور آپ ہی ہمارے ربّ ہیں' ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔''

یہ سب سے پہلا دور وہ ہے جب انسانی ارواح کو پیدا کیا گیا جو مادی جسم سے محروم تھیں۔وہاں صرف روحانی زندگی تھی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا گیا۔ارشادِ ربانی ہوا:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵)

☆ ناظم مالیات' تنظیم گلشن اقبال ون' حلقہ وسطی' کراچی raheelgoher5@gmail.com

''(اے نبی ﷺ!) یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ آپ
فرما دیجیے روح میرے ربّ کا امر ہے۔''

اسی عالَمِ امر میں تمام ارواحِ انسانی سے بندگی کا عہد لے کر' انہیں طویل نیند سلا دیا گیا۔ اور یہ نیند کا وقفہ ہماری دوسری زندگی ہے۔ نیند اور موت میں زیادہ فرق نہیں ہے' نیند کی حالت میں انسان کا شعور سلب کر لیا جاتا ہے' جان تو باقی رہتی ہے مگر روح نکل جاتی ہے۔ اسی لیے نیند کو موت کی بہن کہا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے سو کر اٹھنے پر یہ دعا تلقین فرمائی ہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ))

(صحیح البخاری، باب خلق آدم و ذریة، صحیح مسلم، باب کیفیة خلق الآدمی فی بطن امه، و کتاب الذکر والدعاء)

''تمام شکر اور تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے زندہ کیا' اس کے بعد کہ مجھے
مردہ کر دیا تھا' اور اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔''

زندگی' موت اور نشاۃ ثانیہ (بعث بعد الموت) کو سمجھنے میں لوگوں کو اکثر الجھن ہوتی ہے کہ دوبارہ کیسے زندہ کیے جائیں گے' اور اگر ہو بھی گئے تو مادی جسم کے جذباتی غدودوں کے بغیر جذباتی کیفیتوں کا احساس اور عمر رفتہ کے ذہن کے بغیر گزشتہ یادوں کا شعور کیسے ہوگا۔ ان دونوں باتوں کو قابلِ فہم بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نیند اور بیداری کی دو کیفیتیں پیدا کیں' تاکہ انسان ایک کمتر درجہ کی موت وحیات کے اعادہ کا مشاہدہ رات دن کرتا رہے۔ کسی ذی حیات کو نیند سے بے نیاز اور ہمیشہ بیدار رہنے والا بنانا کچھ مشکل نہ تھا۔ انسان کے جسم میں بے شمار ایسے عمل جاری ہیں کہ کہیں آرام کرنے کی ذرا مہلت نہیں' ان میں سے اگر کوئی تھوڑی دیر کے لیے بھی رک جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ حیات کے پہلے سانس سے لے کر موت کی آمد تک انسان کے اعضاء رئیسہ اور دیگر اعضاء مسلسل اپنے فرائض کی ادائیگی میں منہمک رہتے ہیں۔ پھر دوسرے چند اعضاء کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ لازمی تھکن محسوس کریں اور آرام کے محتاج ہوں' وہ بھی ایسے بنائے جا سکتے تھے کہ مسلسل مصروفِ کار رہیں اور آرام کے محتاج نہ ہوں۔ نیند کی ایجاد دراصل اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرمائی کہ موت کے بعد حیات کو قابلِ فہم بنایا جائے اور یہ مشاہدہ کرایا جائے کہ موت کے بعد جس حس وشعور کا تجربہ ناقابلِ تصور خیال کیا جا رہا ہے' نیند میں حس وشعور سے محروم انسان وہ سب کچھ خواب کی دنیا میں محسوس و

مشاہدہ کر لیتا ہے' عین اسی طرح جس طرح وہ بیداری میں مشاہدہ کرتا ہے۔

چار ماہ بعد جو روح عالَمِ ارواح سے لا کر ماں کے پیٹ میں پروان پاتے بچہ کے جسم میں پھونک دی جاتی ہے' تو وہ حیوانی وجود انسان کا روپ دھار لیتا ہے۔ روح ایک نورانی چیز ہے اور وہی اسے حیوان سے انسان بناتی ہے۔ اور اسی تبدیلی یا تخلیقی مرحلے کو قرآن حکیم میں "ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ" (ایک نئی تخلیق) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۝۴۲﴾ (الزمر)

''اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے' اور جو مرے نہیں (ان کی روحیں) سوتے میں (قبض کر لیتا) ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک لیتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ جو لوگ غور وفکر کرتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔''

سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۶۰﴾

''اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے' پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر زندگی کی) مدتِ معیّن پوری کر دی جائے۔ پھر تم (سب) کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' پھر (اس روز) وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے رہتے ہو (ایک ایک کر کے) بتائے گا۔''

فلاسفہ' حکمائے اسلام اور متصوّفین کے خیال کے مطابق اصل روح کی تین قسمیں ہیں: روحِ حیوانی' روحِ طبیعی اور روحِ انسانی۔ اطبّاء نے جس روح کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ان لطیف بخارات کا نام ہے جو اخلاط کی بخاریت اور لطافت سے عالَمِ وجود میں آتے اور انسان کی حیات کا موجب بنتے ہیں' یہ ''روحِ حیوانی'' ہے۔ اور فیثا غورث اور اس کے پیرو جس کو

روح کہتے ہیں وہ ''روحِ طبیعی'' ہے۔ حکمائے اسلام اور صوفیاء کرام جس کو روح کہتے ہیں وہ ''روحِ انسانی'' ہے اور افعال و اوصاف کی وہی ذمہ دار ہے۔ معاد کا عذاب و ثواب اسی سے متعلق ہے اور قرآنِ کریم میں اسی کو خطاب کیا گیا ہے۔ وہی دراصل انسان ہے اور اسی کو ''روحِ انسانی'' کہا جاتا ہے۔

آج کے جدیدیت اور مادہ پرستی کے دور میں جو چیزیں ہمارے مادہ پرستی کے سانچے میں ڈھل نہیں پاتیں، ہم انہیں قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتے اور انہیں رد کر دیتے ہیں۔ روح کا بھی یہی معاملہ ہے۔ حالانکہ روح عالَمِ خلق (دنیا) کی شے ہے ہی نہیں، یہ تو عالَمِ امر کی چیز ہے، جبکہ مادی قوانین (Physical Laws) عالم خلق سے متعلق ہیں۔ اس دنیا میں ہمیں جو زندگی ملی ہے یہ روح اور جسم کا مرکب ہے، جب کہ اس سے پہلے کی زندگیاں صرف روح کی زندگیاں تھیں۔

عالَمِ امر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، مگر عالَمِ خلق میں یہ انسان اللہ تعالیٰ کا سب سے قابلِ اعتماد شریک بن کر ابھرتا ہے۔ روح ہمارے جسم کو اس طور متصرّف بنائے لگتی ہے جس طرح تمام عالَمِ فطرت خدا کے تصرف میں ہوتا ہے۔ کائنات کا فعال عنصر خدا ہے تو ہمارے پیکر کا فعال عنصر روح ہے۔ روح انسانی وجود کا ایک نقطہ ارتکاز ہے جو خدا کی طرح ابدی ہے۔ بقول اقبال ؎

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا ہے؟ فقط عالَمِ معنی کا سفر

اس کے بعد انسان کی زندگی کا یہ دنیاوی دور شروع ہوتا ہے، جس میں ہر انسان ایک مخصوص عمر گزار کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اب یہاں سے اس کی چوتھی زندگی کی شروعات ہوتی ہیں۔ یہ قبر اور عالَمِ برزخ کی زندگی ہے۔ عذابِ قبر برحق ہے، جو انسان کو اس کے برے اعمال کی بنا پر دیا جاتا ہے، اور یہ قرآن اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ عالم برزخ کی صحیح کیفیت کو ہم اس دنیا میں رہ کر نہیں جان سکتے۔

موت دراصل ایک نئی حیات میں داخل ہونے کا ایک دروازہ ہے جو ہمیں اس سکوتی وقفہ کے طور پر نظر آتی ہے، حالانکہ یہ واقعتاً سکوت نہیں، بلکہ یہ تو ایک زندگی کا دوسری زندگی میں خاموشی کے ساتھ سرک جانا ہے۔ گویا یہ اسرارِ ساکت ایک نوع کا ہنگامِ بقا ہے، جو انسانی ایغو

(Human Ego) کے تکملے کے لیے ہر لمحہ مصروفِ عمل ہے۔

موت اور زندگی کے اس عمل کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موت کے معنی فنائے محض کے نہیں ہیں، بلکہ محض تبدیلی جسم کے ہیں۔ روح اس جسم سے مفارقت کرنے کے بعد کوئی دوسرا جسم اختیار کرتی ہے، اور وہ دوسرا جسم یا صحیح الفاظ میں دوسرا قالب اس قابلیت کی مناسبت سے ہوتا ہے جو انسان نے اپنی پہلی زندگی میں اپنے اعمال اور اپنے رجحانات سے بہم پہنچائی ہے۔ اگر اس کے اعمال برے رہے ہیں اور اس کے اثر سے اس کے نفس میں بری قابلیتیں پیدا ہوگئی ہیں تو اس کی روح ادنیٰ درجہ کے حیوانی یا نباتی طبقات میں چلی جائے گی، اور اگر اچھے اعمال سے اچھی قابلیتیں اس نے بہم پہنچائی ہیں تو روح اعلیٰ طبقوں کی طرف ترقی کرے گی۔ غرض اس نظریے کی رو سے جزا اور سزا جو کچھ بھی ہے اس دنیا اور ان ہی اجسام کے عالم میں ہے۔

گویا اس عقیدے کی رو سے ایک شخص جو اس وقت انسان ہے وہ اس لیے انسان ہو گیا کہ جب وہ جانور تھا تو اس نے اچھے عمل کیے تھے۔ اور ایک جانور جو اس وقت جانور ہے وہ اس لیے جانور ہو گیا کہ انسان کی جون (undergo a change) میں اس نے برے عمل کیے تھے۔ دوسرے الفاظ میں انسان و حیوان اور درخت ہونا سب دراصل پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ ہے! اور یہی عقیدۂ تناسخ (Metempsychosis) کہلاتا ہے۔ مگر عقلِ سلیم اس نظریے کو قبول نہیں کر سکتی، اور یہی وجہ ہے کہ انسان عقل اور علم میں جتنی ترقی کرتا گیا، تناسخ کا اعتقاد باطل ہوتا چلا گیا۔

بہرحال اس کے بعد ایک ہولناک زندگی کا آغاز ہوگا اور وہ ہے آخرت کی زندگی (Day of Judgement)۔ اس کا آغاز صور کے پھونکے جانے سے ہوگا اور اس کی آواز پر سب مرے ہوئے لوگ زندہ ہو جائیں گے۔ ہر مردہ انسان اپنی اسی حالت پر اٹھے گا جس حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ ہر انسان کو ایسا محسوس ہوگا کہ اس پر مدہوشی کی سی کیفیت چند گھنٹوں تک طاری رہی ہے۔ اور پھر سب کو ہانک کر میدان حشر میں لایا جائے گا اور ہر ایک کا حساب و کتاب اور اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝۹۵﴾ (مریم)

''یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اکیلے اُس کے پاس حاضر ہوں گے۔''

اور اپنے اعمال کے نتیجے میں ہر شخص کے دو ہی انجام ہوں گے' ہمیشہ کی جنت یا ہمیشہ کی جہنم کی آگ!

ہماری یہ دنیا کی زندگی دو موتوں کے درمیان ہے۔ ایک وہ موت جب ہم سے ''عہدِ الست'' لینے کے بعد ہمیں گویا کولڈ سٹوریج میں رکھ دیا گیا تھا۔ اور دوسری موت وہ جو اس دنیا کی زندگی کے خاتمہ پر آتی ہے۔ ہماری یہ زندگی ہماری طویل سفرِ حیات کا ایک مختصر سا وقفہ ہے۔ اور یہ وقفہ ہماری آزمائش کا دورانیہ ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک:۲)

''اُسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

ہر انسان زندگی میں ان پانچ ادوار سے گزرتا ہے۔ چنانچہ بُرے اعمال کی بنا پر دوزخ کی آگ میں ڈالے جانے والے اللہ سے فریاد کریں گے:

﴿رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَھَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ⑪﴾ (المؤمن)

''اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو بار مارا اور دو بار ہی زندہ کیا' اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں' تو کیا اب کوئی نکلنے کی راہ بھی ہے؟''

ان کے اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ پر ایمان اسی وقت ایمان ہوتا ہے جب وہ غیب میں ہو۔ اب مرنے کے بعد سب باتوں کا مشاہدہ کر لیا' اب آخرت اور قیامت سب کچھ نظروں کے سامنے آ چکا' تو اب ایمان کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں رہی۔ درحقیقت نصیحت صرف وہی حاصل کرتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے' اور جب تم نے اپنی زندگی میں اللہ کی طرف کبھی رجوع ہی نہیں کیا' تو بتاؤ تمہیں کس طرح ہدایت مل سکتی ہے؟

انسان کی اخروی زندگی میں محاسبہ کی پانچ بنیادیں ہیں' کیونکہ اس کو جن صلاحیتوں سے نواز کر دنیا میں بھیجا گیا تھا اس بنا پر وہ مکلف ہے اپنی پوری زندگی کے محاسبہ کا!

محاسبہ کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سماعت و بصارت عطا کی:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ ۫ نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ②﴾ (الدھر)

''بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لیے پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔''

دوسری بنیاد یہ ہے کہ اسے عقل و فہم اور شعور و بصیرت سے نوازا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا ③﴾ (بنی اسرائیل)

''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ' کیونکہ کان' آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔''

تیسرے یہ کہ ہر نفسِ انسانی کے اندر نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کیا گیا ہے۔ یعنی نیکی اور بدی کی پہچان فطرتِ انسانی میں رکھ دی گئی ہے۔

﴿فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰىھَا ⑧﴾ (الشمس)

''پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔''

ہر شخص بنیادی طور پر یہ جانتا ہے کہ جھوٹ بولنا برا ہے اور سچ بولنا اچھا ہے۔ ہمدردی اچھی شے ہے اور ظلم بری شے۔ یہ چیزیں بنیادی اخلاقیات میں سے ہیں جو انسان کی فطرت میں شامل ہیں۔ اسی لیے قرآن نیکی کو معروف کہتا ہے' یعنی یہ لوگوں کے نزدیک جانی پہچانی چیز ہے' اور برائی اور گناہ کو منکر کا نام دیتا ہے۔ یعنی اس سے انسان کی فطرت نفرت کرتی ہے' اگر فطرت مسخ نہ ہو گئی ہو۔

محاسبہ کی چوتھی بنیاد روح میں اللہ کی معرفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالَمِ ارواح میں سب سے عہد لیا تھا' جب ان سے پوچھا تھا: ''کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟'' تمام ارواح نے اقرار کیا تھا: ''کیوں نہیں' تو ہی ہمارا ربّ ہے!'' (ہم تیری ہی بندگی کریں گے۔)

محاسبۂ اخروی کی پانچویں بنیاد محبت الٰہی کا وہ جذبہ ہے جو روح میں رکھا گیا ہے۔ یہ معرفت اور محبت خوابیدہ ہے' اس کو بیدار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلامِ ربانی کی بارش ہوتی ہے۔ روح کو کلامِ ربانی کی غذا ملتی ہے تو اس کی صلاحیت ابھرتی ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا نائب بنایا اور فرشتوں سے بڑھ کر علم عطا کیا' اور اس کے علم کو فرشتوں کی تسبیح و تقدیس پر ترجیح دی۔ از روئے قرآن حکیم:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ (البقرۃ)

''اور جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں' تو انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟ اور ہم تیری تسبیح اور تیری حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔''

سورۃ الحجر میں اِرشادِ ربانی ہوا:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾ (الحجر)

''اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک انسان کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کرلیا' مگر ابلیس کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شمولیت کرنے سے (صاف) انکار کردیا۔''

اللہ کے حکم کے مطابق تمام فرشتوں نے سجدہ کیا' اور اس طرح ملکوتیت بشریت کے آگے سجدہ ریز ہوئی' مگر ابلیس نے انکار کیا اور اس طرح شیطانی قوتیں انسان کے آگے نہ جھکیں۔ اصل میں تو انسان مٹی کا ایک حقیر سا ٹکڑا تھا' مگر اللہ نے اس میں جو روح پھونکی اور اس کو جو علم بخشا تھا اس نے اسے نیابت الٰہی کا اہل بنا دیا۔

یہ ہے وہ مقام جہاں سے اسلام اور مغرب کے فلسفہ کی راہیں ایک دوسرے سے جدا ہوجاتی ہیں۔ مغربی فلسفہ کی رو سے انسان ایک حیوان ناطق ہے' مگر اسلام میں وہ نائب خدا ہے۔ خالق کائنات نے جو کچھ بھی پیدا کیا وہ سب کچھ انسان کی ذات کے لیے ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿۷۰﴾﴾

(بنی اسرائیل)

''یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں' اور بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا کی۔''

سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾﴾

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے بس میں کردی ہیں اور اس کے فرمان سے پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی۔ وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اُس کی اجازت کے بغیر گر نہ پڑے۔ بے شک اللہ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔''

ان آیات میں انسان کو بتایا گیا کہ زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ تمہارے فائدے کے لیے ہی مسخر کی گئی ہیں' اور یہی حال آسمانوں کی بہت سی چیزوں کا بھی ہے۔ بقول اقبال ؎

نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تُو نہیں جہاں کے لیے!

اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن میں واضح ہونی چاہیے کہ اسلامی تعلیمات میں کوئی فرد واحد یا کوئی گروہ نائب الٰہی نہیں ہے' بلکہ پوری نوع انسانی کو یہ فضیلت عطا کی گئی ہے۔ گویا اس روئے ارضی پر بسنے والا ہر انسان نائب خدا ہونے کے اعتبار سے مرتبے میں برابر ہے۔

یہاں جو کچھ بھی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور انسان چونکہ براہِ راست خالق کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے اس کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی جس رنگ میں بھی انسانیت پائی جائے اس کے تکریمی اور اکرامی حقوق کو ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو خدا کے لیے بناتا چلا جائے' تب وہ پائے گا کہ خدا بھی اُس کے لیے بنا ہوا ہے۔ اسی سے ہم آہنگی اور توافق کا دائرہ بن جاتا ہے۔ لیکن انسان خدا کے لیے اپنے آپ کو نہ بنائے بلکہ

تصادم وتخالف اور ٹکراؤ ہی کے مشغلوں میں زندگی گزار کر مرے تو خدا' خدا کے ارادے' خدا کے قوانین کو بھی پائے گا کہ اس کے ہر ارادے اور اُس کی ہر خواہش سے ٹکرا رہے ہیں۔

خلیفہ بن کر بندہ بن جانے یعنی سب کچھ رکھتے ہوئے اسی سب کچھ کو خدا کی مرضی کا تابع بنا لینے کی وجہ سے اب خدا اور اس کی قوتیں بندے کی ہم نوا بن جاتی ہیں۔ جو آثار و ثمرات و برکات اس راہ سے حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں فرشتہ بنانے والی ریاضتوں اور مجاہدوں کے کارناموں کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی ہے۔ اسلامی نظامِ زندگی کی دعوت دینے والے بزرگوں میں جس ہستی کو اس راہ کا سب سے پہلا داعی اور ہادی سمجھا جاتا ہے' یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی طرف بھی قرآن میں یہ فقرہ منسوب کیا گیا ہے:

﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ...﴾ (ھود:۳۱)

''میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں' اور نہ میں غیب کی باتوں کو جانتا ہوں' اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں.....''

اور اسی راہ کی آخری ہستی خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ...﴾ (الانعام:۵۰)

''کہہ دو! میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں' اور نہ میں غیب کی باتوں کو جانتا ہوں' اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ نے نسیان (بھول) کا مادہ بھی رکھا ہے' جو انسان کو اس کی زندگی میں پیش آنے والی ناخوشگوار یادوں' حادثات اور دلخراش سانحات کو بھلانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اگر نسیان کا یہ مادہ نہ ہوتا تو انسان کی زندگی اجیرن ہو جاتی' اور وہ بے اختیار پکار اٹھتا' بقول غالب ؎

یادِ ماضی عذاب ہے یا ربّ!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

زندگی میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو اپنے پیاروں کو چھوڑ کر دنیا سے سدھار جاتے ہیں' تو انہیں دل سے بھلا دینا محال ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ گزارے ہوئے روز و شب

انسان کو پل پل ستاتے ہیں' رلاتے ہیں' زندگی بے کیف اور بے معنی لگنے لگتی ہیں اور لاکھ جتن کے باوجود ذہن سے ان کی یادوں کو بھلا دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ یادوں کی یہ بارات ذہن و دل کے افق پر بار بار اپنے جلوے بکھیرتی ہے تو دل کی دنیا اُتھل پتھل ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایسے حالات میں ربّ کائنات نے ایک عظیم نعمت سے انسان کو نوازا' جسے نسیان کا نام دیا گیا ہے۔ نسیان وہ قوتِ محرکہ ہے جو انسان کے بکھرے جذبات اور یادوں کے گہرے نقوش کو دھندلا دیتی ہے۔ وقت کا مرہم ہر رِستے زخم کو مندمل کر دیتا ہے اور انسان پھر سے اس دنیا کی ہوش ربا اور دلفریب رنگینیوں میں کھو جاتا ہے۔ بقول فیض ؎

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

چنانچہ انسانوں کی اکثریت دنیا کی ان رنگینیوں اور رنگ و نور کی چکاچوند میں گم ہو کر اپنے ربّ سے کیے ہوئے اس عہد کو بھی بھول جاتی ہے جو اس نے اُس وقت کیا تھا جب وہ عالَمِ ارواح میں تھے۔ جس طرح نوزائیدگی کی عمر کا ایک بڑا حصہ بچے کے ذہن میں نہیں رہتا اسی طرح ایک بالغ انسان کا کیا ہوا وہ ''عہد الست'' ذہن کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس بھولی ہوئی داستاں کو شعور و ادراک کی سطح پر لانے کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ ہے' اور وہ ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کلام کو گہرائی میں اتر کر سمجھنا۔ قرآن جب دل و دماغ کی پہنائیوں میں جگہ بنا لے تو انسان پر تمام عقدے کھلتے چلے جاتے ہیں اور نسیان کا وہ غبار جس نے ذہن کی سطح کو دھانپا ہوتا ہے' ہوا بن کر اڑ جاتا ہے۔ اور جونہی انسان معصیت اور اس کے غلط اثرات کو اپنے ذہن و قلب سے دھو لیتا ہے' پھر انابت الی اللہ کے مراحل طے کرنے لگتا ہے۔ تطہیری عمل جس کے ذریعے ایک عاصی انسان اپنے نفس کو پاک کرتا ہے وہ توبہ یا رجوع الی اللہ کہلاتا ہے۔

خالقِ حقیقی کی صفاتِ حسنہ پر تجدیدِ ایمان اور اس حقیقت کا یقین کہ اس کا مربی اور اس کی خودی کو بالیدگی اور نشوونما دینے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور نہیں ہے' تو وہ اسی سے عفو و درگزر کا خواستگار ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی اور رضا کے ساتھ ہر شخص اپنی اگلی زندگی میں اپنی ذہنی سطح اور کیفیت کے مطابق اپنی جنت اور دوزخ خود بنائے گا۔ اس سلسلے میں اصل اہمیت اِس مادی دنیا میں کمائے ہوئے اعمال کی ہوگی جس کے اثرات اِس کے لاشعور

میں جمع ہوتے رہتے ہیں اور جس کی پوٹلی باندھ کر وہ اگلی زندگی میں قدم رکھے گا۔ اس ابدی زندگی میں اسے اپنے کسب شدہ اعمال کے نتائج بھگتنے ہوں گے۔ یا تو مثبت طور پر وہ اس کے کام آئیں گے‘ یا پھر سخت تکلیف دہ عواقب برداشت کرنا ہوں گے۔ وہاں پر اسے ان تمام لوگوں سے واسطہ پڑے گا جن کے حقوق اس دنیا میں اس نے غصب کیے ہوں گے‘ خود اس کے اعضاء و جوارح کو زبان دے دی جائے گی جو اس کے خلاف شہادت دیں گے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾﴾ (یٰسٓ)

’’ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں لگا دیں گے اور اُن کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے‘ اُن کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔‘‘

گویا وہی معاملہ ہوگا کہ ؎

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
اُن کو زباں ملی تو ہم ہی پر برس پڑے

اگر دنیا میں انسان کے اعمال اس کی فطرتِ سلیمہ اور خالقِ کائنات کی مرضیات کے مطابق ہوں گے تو اسے اگلی دنیا میں نہایت خوشگوار لوگوں کی معیت اور نہایت دیدہ زیب اور دل فریب مناظر و اشیاء سے نوازا جائے گا۔ کسی شخص نے جس درجے میں اپنے خالقِ حقیقی کی صفت حسن کو اپنے اخلاق و اعمال میں اپنایا ہوگا وہ اسی قدر نعمتوں کا مستحق ہوگا۔ اور آخرت کی زندگی میں بھی اس کی خودی کی بالیدگی اور ترفع کا عمل جاری رہے گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾﴾ (النساء)

’’اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے‘ پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے‘ تو وہ اللہ کو بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا رحم والا پائے گا۔‘‘

اور اگر اِس زندگی میں کسی شخص کے اعمال اُس کی فطرتِ سلیمہ اور خالقِ کائنات کے احکام کے خلاف ہوں گے تو اسے اپنے اعمالِ بد کو انتہائی کریہہ صورتوں میں متشکّل دیکھنا پڑے گا۔ مثلاً آگ کی لپٹ‘ انتہائی گندا اور ناپسندیدہ پانی‘ ناکارہ اور بدذائقہ غذا‘ جسمانی تعذیب‘ سانپ‘ بچھو وغیرہ۔ جنت و دوزخ اور ان کی تفاصیل صرف استعارے نہیں بلکہ واقعی

اور حقیقی مقامات ہیں‘ جو اگرچہ متشکل ان اعمال کے نتیجے میں ہوں گے جو ہم اس دنیوی زندگی میں کرتے ہیں اور جن کے اثرات ہمارے لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں‘ یہی اعمال حیاتِ اخروی میں معروضی کیفیات اور مقامات کا روپ دھار لیں گے‘ جو یا تو انتہائی آرام دہ اور خوش کُن ہوں گے یا انتہائی تکلیف دہ اور مضرت بخش۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿١٤﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾﴾

(بنی اسرائیل)

’’اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے‘ اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اسے نکال کر دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے‘ تو آج اپنا خود ہی محاسب کافی ہے۔ جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو اپنے لیے اختیار کرتا ہے‘ اور جو گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا‘ اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔‘‘

نفس اور روح کی مکمل تطہیر اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک انسان ان تمام خواہشات‘ تمناؤں اور افعال سے اجتناب نہیں کر لیتا جو اس کی فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہیں اور ہر طرف سے منہ موڑ کر اُس حسن ازلی کی طرف رخ نہیں کر لیتا جس کی عبادت و محبت کی خواہش اس کے وجود کی گہرائیوں سے پھوٹ رہی ہے۔ از روئے قرآن حکیم:

﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿٨﴾﴾ (المزمل)

’’اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔‘‘

خدا فروشی انسان کو خود فراموشی کے ذہنی عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ از روئے قرآنِ حکیم:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١٩﴾﴾ (الحشر)

’’اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود

اپنے تئیں بھول گئے۔ یہی تو یہ بدکردار لوگ ہیں۔''

انسان کے جسمانی وجود کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ مٹی اور پانی سے گندھا گارا جو بدبودار اور لیسدار تھا اور جو خشک ہو کر بجنے لگا تھا۔ اس اعتبار سے انسان کوئی قابل ذکر چیز تھا ہی نہیں۔ مگر جب خالقِ کائنات ربّ عظیم نے اپنی روح اس وجودِ خاکی میں پھونکی' اسی لمحہ وہ قابلِ ذکر شے بن گیا' اور اس کو مسجودِ ملائک کا اعزاز بھی حاصل ہو گیا۔ پھر اسی ربّ کائنات نے اسے اختیار اور ارادے کی آزادی دے کر اس فانی اور ناپائدار دنیا میں بھیج دیا۔ مقصد صرف ایک تھا' اس بدن و روح سے مرکب وجود کا امتحان لینا کہ وہ اپنے ربّ اور خالق کی وفاداری کس حد تک نبھاتا ہے۔ اس کے اس امتحان کے لیے مرغوباتِ نفس' شہوات و لذات' جام و مینا کی گردشیں اور گمراہیوں کے جال ہر سو پھیلا دیے گئے..... تو دوسری طرف ربّ کائنات نے سماعت' بصارت' عقل و فہم کے ہتھیار بھی انسان کو ودیعت کر دیے کہ جب دنیا کی رنگینوں کے خوابیدہ ماحول میں اس کے قدم لڑکھڑانے لگیں' ہوش و خرد کی دنیا تہ و بالا ہونے لگے تو وہ ان ہتھیاروں سے اپنا دفاع کر سکے۔ ان ہتھیاروں کو متحرک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کو بھی انسان کے ساتھ ساتھ کر دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۳۸﴾﴾ (البقرۃ)

''تو جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور وہ غمناک ہوں گے۔''

دنیا کی زندگی کا راستہ خواہشات و ترغیبات اور نفس کو مغلوب و مائل کرنے والی خاردار جھاڑیوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ ربّ کریم چاہتا ہے انسان اس راستہ پر اپنا دامن بچا کر اُس تک پہنچنے کی سعی و جُہد کرے اور اپنے اس عہد کو پورا کرنے کی فکر کرے جو وہ اپنے ربّ سے کر چکا ہے۔ انسان جب مادیت کی سطح سے بلند ہو کر اپنی عبادات و معاملات میں تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے تو اس کی روح میں بیداری پیدا ہوتی ہے' جو اس کی بداعمالیوں کے سبب اضمحلال کا شکار ہو چکی تھی۔ اور دنیوی لذتیں اور طاؤس و رباب کی حلاوتوں کا احساس نیم جان ہونے لگتا ہے' آسودگی اور احساسِ طمانیت حاصل ہو جاتا ہے۔ خدا شناسی' خود فراموشی کے احساس کو زائل کر دیتی ہے۔ ربّ کی معرفت ہی اپنی ذات کی معرفت کے حصول کا واحد راستہ

ہے۔ کلام الٰہی کا گہرا مطالعہ علوم و معرفت کے وہ تمام در کھول دیتا ہے جو انسان زیغ و ضلال کی روش اختیار کر کے خود اپنے لیے بند کر چکا ہوتا ہے' اور آفاق و انفس میں بکھری حق و صداقت کی نشانیوں کا شعور و ادراک بھی ان آیات قرآنیہ کے بین السطور اسے نمایاں طور پر نظر آ جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان آیاتِ بینات میں اسی (انسان) کا تو ذکر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۱۰﴾﴾

(الانبیاء)

''ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے؟''

مصادر و مراجع

(۱) قرآنِ حکیم ترجمہ: مولانا فتح محمد خان جالندھریؒ
(۲) اسلامی نظریۂ حیات' پروفیسر خورشید احمد
(۳) تفسیر معارف القرآن' مفتی محمد شفیع
(۴) سیرتِ خیر الانام ﷺ' ڈاکٹر اسرار احمدؒ
(۵) منشورِ اسلام' ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ
(۶) رسولِ عربی ﷺ اور عصرِ جدید' سید محمد اسماعیل
(۸) تفسیر معارف القرآن (جلد پنجم)' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۹) حجۃ اللہ البالغہ (حصہ اول)' شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل

خلافت کی حقیقت

اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 120 روپے

الارض: قرآن حکیم کی روشنی میں (۲)

ڈاکٹر محمد سرشار خان☆

سمندر

اگر سمندر محض دس فٹ مزید گہرے ہوتے تو فضا میں موجود تمام آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کر لیتے اور خشکی پر کوئی زندگی نہ ہوتی۔ اگر سمندر کم گہرے ہوتے اور رقبے میں بھی کم ہوتے تو زندگی کے لیے درکار مناسب درجہ حرارت کو برقرار رکھنا ممکن نہ ہوتا۔

زندگی کے لیے درکار ضروری اجزاء کی فراہمی

زندگی کے لیے درکار تمام تر اجزاء مناسب اور نپی تلی مقدار میں زمین میں موجود ہیں۔ حیوانات اور نباتات کا ۹۹ فیصد حصہ درج ذیل اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے:

آکسیجن	۶۰ فیصد	کاربن	۲۰ فیصد
ہائیڈروجن	۱۰ فیصد	کیلشیم	۲ء۵ فیصد
فاسفورس	۱ء۱۴ فیصد	کلورین	۰ء۱۶ فیصد
گندھک	۰ء۱۴ فیصد	پوٹاشیم	۰ء۱۱ فیصد
سوڈیم	۰ء۱۰ فیصد		

اس کے علاوہ فولاد، مینگنیز، تانبا، آیوڈین، کوبالٹ، کرومیم وغیرہ بھی قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ کچھ اجزاء کی مقدار نہایت قلیل ہے، مگر ان کے بغیر زندگی روئے زمین پر پنپ نہیں سکتی، کیونکہ زندگی کے پیچیدہ عمل میں ان اجزاء کا بہت اہم کردار ہے۔

کُرۂ ہوائی

کُرۂ ہوائی ہوا کا وہ غلاف ہے جو ارضی کشش ثقل کی وجہ سے زمین کے گرداگرد موجود ہے۔

☆سابق ڈپٹی ڈائریکٹر ویٹرنری انسٹیٹیوٹ لاہور

یہ غلاف زمینی حیات کو برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے دباؤ کی وجہ سے ہی پانی مائع حالت میں رہتا ہے، ورنہ یہ ذرا سی حرارت سے سارے کا سارا بخارات میں تبدیل ہو جاتا۔ اس کی اوزون کی تہہ خطرناک شعاعوں کو زمین تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ اسی غلاف کی وجہ سے سورج کی حرارت زمین پر قائم رہتی ہے (Green House Effect)۔ اس کے علاوہ یہ دن اور رات کے درجہ حرارت کی انتہاؤں (Diurnal temperature variations) کو اعتدال پر رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

فضائی تہیں (Atmospheric Layers)

فضائی سائنس دانوں نے کرۂ ہوائی کو پانچ تہوں میں تقسیم کر رکھا ہے، جس کی بنیاد درجہ حرارت کی کمی بیشی ہے۔ بعض سائنس دانوں کے نزدیک ان تہوں کی تعداد سات ہے، جن سے گزر کر کوئی چیز زمین تک پہنچتی ہے۔ زمین کی سطح سے اوپر کی طرف ان تہوں کی ترتیب اس طرح ہے:

Troposphere۔ یہ سطح زمین سے اوپر قطبین پر ۷۔۸ کلومیٹر جبکہ خط استوا پر ۱۷۔۱۸ کلومیٹر تک بلند ہے۔ بارش، بادل اور موسم وغیرہ اسی تہہ میں تشکیل پاتے ہیں۔ اس کا درجہ حرارت ہر کلومیٹر بلندی کے ساتھ ۵۔۶ سینٹی گریڈ کم ہوتا جاتا ہے۔ ہوا کا ۹۰ فیصد حصہ اسی تہہ میں موجود ہوتا ہے۔

Stratosphere۔ یہ زمین سے ۵۰ کلومیٹر تک بلند ہوتا ہے۔ اوزون کی تہہ (Ozone Layer) بھی اسی حصے میں ہوتی ہے۔ اس تہہ کا پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ اس حصہ یا تہہ میں اوزون کا بالائے بنفشی شعاعوں کے جذب کر لینے سے درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے۔

Mesosphere۔ اس تہہ میں درجہ حرارت بہت کم ہو جاتا ہے۔ (۹۰ سینٹی گریڈ تک)

Thermosphere۔ اس میں درجہ حرارت پھر بڑھ جاتا ہے، کیونکہ سورج سے آنے والی شدید طاقت کی بالائے بنفشی شعاعوں اور ایکس ریز کے انجذاب سے فضا بہت گرم ہو جاتی ہے۔

Ionosphere۔ ”تھرموسفیئر“ کے ۸۰ کلومیٹر سے بلند علاقے کو ”آئنوسفیئر“ کہتے ہیں۔ طاقتور شمسی شعاعیں یہاں گیسوں (ہوا) کے سالموں اور ایٹموں کو برق پاروں (ions) میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ یہ ریڈیو کی شارٹ ویو لہروں کو منعکس کر کے زمین پر بھیج دیتے ہیں جس کی وجہ سے ہم دور دراز سے ریڈیو کی نشریات سن سکتے ہیں۔

Exosphere۔ یہ ۵۰۰ کلومیٹر اوپر سے شروع ہوکر ۱۰ہزار کلومیٹر تک بلند ہے۔اس میں فضا کا محض ۰٫۰۲ حصہ پایا جاتا ہے۔ یہاں سے گیسوں کے ایٹم خلا میں بھی چلے جاتے ہیں۔

Magnetosphere۔ یہ فضائی تہہ کی بجائے مقناطیسی میدان کی تہہ ہے' جو زمین (جسے ایک عظیم مقناطیس بھی کہا جاسکتا ہے) کے گرد ۳ہزار کلومیٹر سے لے کر ۱۶۰۰۰ کلومیٹر کی بلندی تک موجود ہے۔ یہ زمین کو متعدد خلائی آفات سے محفوظ رکھتی ہے۔

سبع طرائق کیا ہیں؟

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾﴾ (البقرۃ)

''وہ (اللہ ہی) ہے کہ جس نے زمین پر تمہارے لیے ہر چیز تخلیق کی' پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور اسے سات آسمانوں (تہوں) میں ترتیب دیا۔ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں لفظ ''سَمٰوات'' یا ''سماء'' نہ صرف تمام کائنات بلکہ زمینی آسمان (کُرۂ ہوائی) کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا کرۂ ہوائی کی ترکیب وتشکیل کے متعلق علم رکھنے والے شخص کے ذہن میں یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں زمین کے گرد بنی مندرجہ بالا تہوں کا ذکر کیا ہے جو ایک دوسرے کے اوپر بچھی ہوئی ہیں۔ آیت کے الفاظ پر ایک بار پھر غور کریں۔ یہی محسوس ہوگا کہ یہ زمین کے بالائی حصے کی تشکیل کا ذکر ہے' کیونکہ اگر زمین پر زندگی کے لیے ہر ضروری چیز موجود ہوتی لیکن فضا یا آسمانِ دنیا مخصوص طریقے سے تشکیل نہ دیا گیا ہوتا تو زندگی پھر بھی ناممکن تھی۔ سورۂ نوح میں فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾﴾

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس طرح سات آسمانی طبقات اوپر تلے پیدا کر رکھے ہیں۔ اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا۔''

سورۃ المؤمنون میں ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۫ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷﴾﴾

''اور ہم نے تمہارے اوپر سات گزرگاہیں بنائیں' اور ہم (کائنات کی) مخلوق (اور اس

کی حفاظت کے تقاضوں) سے بے خبر نہ تھے۔''

حالیہ چند دہائیوں میں فلکی طبیعیات کے میدان میں ہونے والی دلچسپ اور حیران کن دریافتوں نے کائنات کے بارے میں نظریات کو کافی حد تک بدل کر رکھ دیا ہے۔ ترکی کے نامور محقق ڈاکٹر نور ہلوک باقی کے مطابق کائنات متنوع مقناطیسی تہوں کی عکاسی کرتی ہے۔ اگر ہم (اپنے میسر ذرائع سے) زمین سے کائنات کی وسعتوں کی طرف نظر دوڑائیں تو درج ذیل سات حلقوں' تہوں یا آسمانوں کی ترتیب نظر آتی ہے:

(۱) **پہلا آسمان:** وہ خلائی میدان جس کی بنیاد ہم اپنے نظام شمسی کے ساتھ مل کر رکھتے ہیں۔

(۲) **دوسرا آسمان:** ہماری کہکشاں کا خلائی میدان ہے جس میں کم از کم تین چار کھرب ستارے یا سورج ہیں۔

(۳) **تیسرا آسمان:** ہمارے کلسٹر (cluster) (مقامی کہکشاؤں کے گروہ) کا خلائی میدان ہے۔

(۴) **چوتھا آسمان:** کائنات کا مرکزی مقناطیسی میدان ہے جو کہکشاؤں کے تمام گروہوں (clusters) کے مجموعے سے تشکیل پاتا ہے۔

(۵) **پانچواں آسمان:** اس کائناتی پٹی پر مشتمل ہے جو قواسرز (Quasars) بناتے ہیں' جنہیں ہم ستاروں کے بیج بھی کہتے ہیں۔

(۶) **چھٹا آسمان:** پھیلتی ہوئی کائنات کا میدان ہے جسے رجعتِ قہقری (پیچھے ہٹتی ہوئی) نئی کہکشائیں بناتی ہیں۔

(۷) **ساتواں آسمان:** سب سے بیرونی میدان ہے جو کہکشاؤں کی لامحدود بیکرانی سے تشکیل پاتا ہے۔

درج بالا آسمانی تہوں کے درمیان ناقابل تصور فاصلے ہیں۔ مثلاً ہمارے اپنے یا پہلے آسمان کی حدیں ۶۵ کھرب کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ چھٹا آسمان ۲۰ ارب نوری سال دور ہے اور ساتویں آسمانی تہہ اس سے بھی کئی گنا آگے ہے' جس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ بہرحال یہ انسانی قیاس آرائیاں ہیں۔ آسمانوں سمیت ہر چیز کی حقیقت وہی علیم وحکیم جانتا ہے۔

زمین حرکت میں ہے

قرآن حکیم میں حرکت زمین پر کئی آیات ہیں:

﴿اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا...﴾ (طٰہٰ:۵۳)

''جس (اللہ تبارک وتعالیٰ) نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا۔''

گہوارے ایک تو وہ ہیں جو گول دائرے میں گھومتے ہیں' اور ایک وہ جو آگے پیچھے حرکت کرتے ہیں۔ ہر دو قسم کے گہواروں میں حرکت موجود ہے۔ اسی طرح سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

﴿وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ...﴾ (آیت ۱۵)

''ہم نے زمین میں پہاڑ ڈال دیے ہیں کہ وہ تمہیں ساتھ لے کر بھاگ نہ جائے.....''

زمین کی حرکت میں اعتدال وتوازن' موسموں میں تنوع' بارش' معدنیات اور دیگر بے شمار مصلحتوں کے ساتھ ساتھ پہاڑوں نے مائع لاوے پر جمے عظیم تودوں (Tectonic plates) کو آپس میں جوڑ رکھا ہے۔ یہ عظیم تودے اب بھی آہستہ آہستہ حرکت کر رہے ہیں جن سے پہاڑوں کے بننے کا عمل جاری رہتا ہے۔ بھاگ جانے کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کسی جگہ ٹھہری ہوئی نہیں' بلکہ تیزی سے حرکت میں ہے۔

قرآن حکیم میں چودہ سو سال پہلے ہی انسان کو صاف صاف بتا دیا گیا تھا کہ تمام اجرامِ فلکی حرکت میں ہیں۔ سورۃ الزمر میں ارشاد ہوا:

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝۵﴾

''اُس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ رات کو لپیٹ دیتا ہے دن پر اور دن کو لپیٹ دیتا ہے رات پر' اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کر دیا۔ تمام کے تمام ایک معیّن میعاد تک محوِ حرکت رہیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ! وہ زبردست ہے' بہت بخشنے والا۔''

دو سمندروں کے درمیان پردہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَھُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَھُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۵۳﴾ (الفرقان)

''اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا رکھے ہیں' ایک کا پانی شیریں اور خوشگوار اور

دوسرے کا نہایت شور و تلخ۔ اور ان دونوں کے درمیان اُس نے ایک پردہ اور ایک مضبوط بند کھڑا کر دیا۔''

اس بارے میں کئی تفاسیر موجود ہیں اور اپنی جگہ پر درست ہیں۔ مثلاً زمین میں موجود میٹھے اور کھاری پانی کے ذخیرے جو آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ قطبین پر جمی برف کے پگھلنے سے تازہ میٹھے پانی کی پیدا ہونے والی بحری رو ئیں جن سے بحری مسافر پانی حاصل کر سکتے ہیں۔

اسی طرح سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہے:

﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ۝۱۹ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ۝۲۰﴾

''اُس (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) نے دو دریا جاری کر دیے جو آپس میں ملے ہوئے بھی ہیں۔ پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔''

جبل طارق کی تنگ آبنائے (Gibraltar's Narrow Strait) جو کہ بحر روم کو بحر اوقیانوس سے ملاتی ہے صرف ساڑھے چودہ کلومیٹر چوڑی ہے۔ یہ جبل طارق کے جنوبی ساحلوں (مراکش) اور شمالی ساحلوں (اسپین) کو اس بحری راستے سے ملاتی بھی ہے۔

مشہور فرانسیسی سائنسدان کوسٹیو (Jacques Cousteau) نے جو سمندر کے اندر پانی میں تحقیقات کے لیے مشہور ہے' یہ دریافت کیا کہ بحر روم اور بحر اوقیانوس کیمیاوی اور حیاتیاتی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کی تحقیق کے مطابق اس جگہ سمندری پانیوں میں بڑے بڑے تازہ میٹھے پانی کے چشمے ابلتے ہیں۔ یہ چشمے ایک دوسرے کی طرف ۴۵ ڈگری کے زاویے پر تیزی سے بڑھتے ہوئے ایک ڈیم کی طرح کنگھی کے دندانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس عمل سے بحر روم اور بحر اوقیانوس اندر سے ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ دونوں سمندروں کے خلط ملط نہ ہونے کی وجہ سے ہر سمندر کے اندر ایک دوسرے سے مختلف انواع و اقسام کی نباتات اور سمندری حیات پائی جاتی ہے' جو ایک ہی طرح کا ماحول رکھنے والے سمندروں میں ممکن نہ تھی۔ اس تحقیق کے بعد جب کوسٹیو کو یہ آیات دکھائی گئیں تو وہ قرآن مجید کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔

ذیل میں ہم اس مقام کے بارے میں ایک سائنسی جریدے میں شائع شدہ مضمون کا اقتباس پیش کر رہے ہیں:

Like the spillway of a giant dam, the shallow strait of

Gibralter keeps Atlantic waters from mixing freely with those of the Mediterranean basin on the other side. Warm surface waters can ride on from the ocean over the cold out flow from the Mediterranean deeps but the stonesill between Spain and Morocco blocks the deeper ocean waters.

(Life Nature Library "Eurasia"1988 Edition.)

معدنی تیل کے متعلق قرآنی پیشین گوئی

سورۃ الاعلیٰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝۴ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝۵﴾

''اور جس (اللہ) نے نباتات اگائیں۔ پھر ان کو سیاہ کوڑے (کے سیلاب) میں تبدیل کر دیا۔''

یہاں لفظ ''غُثاء'' قابلِ غور ہے۔ آج تک ان آیات کا جو ترجمہ کیا جاتا رہا ہے' کچھ یوں ہے:

''جس نے نباتات اگائیں۔ پھر ان کو سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔'' (تفہیم القران)

''اور جس نے نباتات اگائیں۔ پھر ان کو گھنی سرسبز و شاداب بنایا۔'' (امین احسن اصلاحی)

''اور جس نے (زمین سے) چارہ نکالا۔ پھر اسے سیاہی مائل خشک کر دیا۔'' (طاہر القادری)

''اور جس نے چارہ نکالا۔ پھر اسے خشک سیاہ کر دیا۔'' (کنز الایمان)

''اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی۔ پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔'' (مولانا محمد جونا گڑھی)

ان تراجم سے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ نباتات خشک ہو کر پیلے یا بھورے رنگ کے تو ہو جاتے ہیں لیکن سیاہ رنگ میں عموماً نہیں بدلتے۔ البتہ اگر انہیں نم مٹی میں دبا دیا جائے تو وہ کچھ عرصے بعد سیاہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہاں لفظ ''غُثاء'' کا مفہوم قابل غور ہے' جس کا لحاظ ان تراجم میں نہیں کیا گیا۔ غَثَا یَغْثُوْ (ن) غَثْوًا کا معنی ہے وادی میں کوڑا کرکٹ زیادہ ہو جانا۔ قرآن میں استعمال شدہ لفظ ''غُثاء'' اسم ذات ہے' جو سیلاب کے جھاگ میں ملے ہوئے گلے سڑے پتوں تنکوں وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں وارد حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبویؐ میں یہ لفظ بایں معنی آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری زمانہ میں اُمت کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا: ((... بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ وَلٰکِنَّکُمْ غُثَآءٌ کَغُثَآءِ السَّیْلِ))

''.....اُس وقت تعداد میں تو تم بہت زیادہ ہو گے' لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے (ساتھ بہہ کر

آنے والے) جھاڑ جھنکاڑ کی سی ہو گی۔''

زمین سے نکلنے والا تیل یا پٹرولیم سیاہی مائل گاڑھا مائع ہوتا ہے جسے آئل ریفائنری میں صاف کر کے مختلف مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔ میرے خیال میں علم الارضیات (Geology) کا ماہر جسے عربی زبان پر بھی کچھ عبور ہو تو اُس کے ذہن میں ''غُثاء'' کا اصل مفہوم ضرور آئے گا۔ جیسا کہ اب یہ بات سب کے علم میں ہے کہ کرۂ ارض کا بڑا حصہ زندگی کے اوّلین دور میں نباتات اور دیوہیکل درختوں کے عظیم جنگلات سے ڈھکا ہوا تھا۔ بعد میں ارضیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے یہ عظیم جنگل زیرِ زمین چلے گئے اور ایک مخصوص کیمیائی اور حیاتیاتی (بیکٹیریا وغیرہ کے) عمل سے سیاہ تیل کی شکل اختیار کر گئے۔

اس سورۃ کی ابتدائی تین آیات ملاحظہ ہوں:

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۱ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳﴾

''پاکی بیان کرو اپنے رب کے نام کی جو بہت بلند و بالا ہے۔ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا پھر تناسب قائم کیا۔ اور جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔''

آیات ۲۔۳ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تخلیق کائنات کے بنیادی قوانین بیان فرمائے ہیں۔

آیت ۲: ''جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا پھر تناسب قائم کیا''۔ یعنی زمین سے آسمانوں تک کائنات کی ہر چیز کو نہ صرف پیدا کیا بلکہ اس کا توازن اور تناسب ٹھیک ٹھیک قائم کیا۔ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو موزوں نہ ہو اور تناسب سے پیدا نہ کی گئی ہو۔ ایسا ہونا خود اس امر کی علامت ہے کہ کوئی حکیم صانع ان سب کا خالق ہے' کیوں کہ اشیائے کائنات میں یہ حسن و سلیقہ خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا۔

آیت ۳: ''اور جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی''۔ تقدیر کا مطلب ہے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے ہی طے کر دیا گیا کہ اسے دنیا میں کیا کام کرنا ہے' کتنا کام کرنا ہے' کس جگہ کام کرنا ہے' اس کے لیے کیا مواقع اور ذرائع فراہم کرنے ہیں۔ کب اپنا کام مکمل کر کے کس طرح ختم ہونا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ اس پوری سکیم کا مجموعی نام اس کی تقدیر ہے' جو کائنات کی ہر چیز کے لیے اور مجموعی طور پر پوری کائنات کے لیے بنائی گئی ہے۔ اسے لوحِ محفوظ یعنی قدرت کے کمپیوٹر نظام میں فیڈ کر دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کام پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت

اپنے وقت پر سرانجام پا رہا ہے۔ ''پھر اس کو راہ دکھائی'' یعنی کسی چیز کو محض پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا گیا' بلکہ جس کام کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اس کے انجام دینے کا طریقہ بھی اسے بتایا گیا۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ صرف خالق ہی نہیں ہادی بھی ہے۔ یہ ہدایت ہر جاندار اور بے جان چیز کو جاری کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ انسان کے علاوہ ہر چیز اسی ہدایت (code/ instructions) کے مطابق کام کرنے پر مجبور ہے۔ صرف انسان کو کچھ معاملات میں خودمختاری حاصل ہے۔ لیکن یہاں بھی فلاح ان ہی لوگوں کے حصے میں آئے گی جو اختیار کے باوجود ہدایتِ ربانی کے مطابق اپنے اعمال وافعال کو سرانجام دیں گے۔

یہ آیات ہمیں علمِ طبیعیات اور حیاتیات کے ایک بنیادی قانون کا علم دیتی ہیں۔ جن نباتات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے وہ اتنے عظیم ذخیرے تھے کہ اگر یہ اسی طرح کُرۂ ارض پر موجود رہتے تو فضا میں آکسیجن کا تناسب بگڑ کر اتنا زیادہ ہو جاتا کہ زمین پر ہر طرف آگ بھڑک اٹھتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی تقدیر کے ذریعے یہ عظیم جنگلات اور دیوہیکل نباتات زیرِ زمین اُس وقت دفن کر دیے جب ان کا کام مکمل ہو گیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فضا میں آکسیجن کی مقدار ۲۱ فیصد مقرر کی ہوئی ہے۔ اگر اس کی مقدار صرف ایک فیصد کم یا زیادہ ہو جائے تو کرۂ ارض پر زندگی کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ (فضا میں ایک فیصد آکسیجن بڑھنے سے جنگلوں میں آگ لگنے کا تناسب ۷۰ فیصد بڑھ جاتا ہے۔) برطانوی حیاتیاتی کیمیادان (James Love Lock) اسے یوں بیان کرتا ہے: ''فضا میں آکسیجن کی مقدار ۲۵ فیصد ہوتی تو خشکی پر موجود انواع واقسام کے اَن گنت نباتات کی بہت معمولی تعداد عالمی آتشزدگی سے محفوظ رہ جاتی۔ یہ بھیانک آگ قطب شمالی کے ٹنڈرا سے لے کر منطقہ حارّہ کے بارانی جنگلات تک سبھی کچھ تباہ کر ڈالتی۔ ہوا میں آکسیجن کی موجودہ مقدار ایک ایسے مقام پر ہے جہاں خطرہ اور فائدہ دونوں ہی بڑی خوبی سے ایک دوسرے کو متوازن کر دیتے ہیں۔''

جانور سانس کے ذریعے آکسیجن لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں جو کہ پودے استعمال کرتے ہیں اور آکسیجن فضا میں خارج کر دیتے ہیں۔ یوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کُرۂ ارض پر زندگی کا پہیہ رواں دواں رکھا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پٹرولیم اللہ تعالیٰ کی زمین میں رکھی گئی برکتوں میں سے ایک برکت

ہے جو اُس نے موجودہ دور کے انسان کے لیے رکھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ حٰمٓ السجدہ آیت ۱۰:

﴿وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑩﴾

''اُس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اس کے اوپر پہاڑوں کے لنگر جما دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں' اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لیے برابر (ہر ایک کی طلب وحاجت کے مطابق) ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔''

یعنی ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک جس جس قسم کی جتنی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ زمین میں پیدا کرنے والا تھا ہر ایک کی مانگ اور ضروریات کے مطابق ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر پورا سامان اُس نے زمین کے اندر رکھ دیا۔ گویا اپنی تخلیقی سکیم میں جس طرح اُس نے غذا طلب کرنے والی ان مخلوقات کو پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اسی طرح اس نے ان کی طلب کو پورا کرنے کے لیے خوراک اور دیگر ضروریات کا بھی مکمل انتظام کر دیا تھا۔

اب ہم واپس اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ تیل کی تشکیل اور اس کے جمع ہونے سے متعلق کئی نظریات ہیں' لیکن یہ نظریہ بہت معتبر ہے کہ تیل کی تشکیل سمندری نباتات اور ساحلی جنگلوں کے گلنے سڑنے سے ہوئی۔ پھر یہ ارضیاتی تہوں میں اکٹھا ہو کر دریاؤں کی طرح بہنے لگا۔ اس طرح مخصوص چٹانوں میں تیل کی زیرزمین جھیلیں بھی بن گئیں۔ آیئے اب دوبارہ اس آیت کریمہ کو پڑھیں: ﴿فَجَعَلَهٗ غُثَاۗءً اَحْوٰى ⑤﴾ ''پھر اس کو سیاہ کوڑے (والے سیلاب) میں تبدیل کر دیا۔''

یہ بات موجودہ تحقیق سے بھی سامنے آئی ہے کہ تیل زیرزمین سیاہ دریاؤں کی صورت میں بہتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں بھی واضح طور پر تیل کے بہاؤ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اسے جیالوجی کی زبان میں تیل کی ہجرت (Oil Migration) کہا جاتا ہے' جس کی طرف قرآن نے چودہ صدیاں قبل اشارہ کر دیا تھا۔ یہ سیاہ سونے (Black Gold) کا خزانہ اللہ تعالیٰ نے آج کے انسانی دور کے لیے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

آکسیجن کا بیان

ملاحظہ ہو سورۃ یٰسٓ:

﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۝۸۰﴾

''وہی جس نے تمہارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کردی اور تم اس سے آگ روشن کرتے ہو''۔ (تفہیم القران)

''جس نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کی پھر اب اسی سے سلگاتے ہو''۔ (طاہر القادری)

''وہی ہے جس نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کردی ہے' پھر تم ذرا سی دیر میں اس سے سلگانے کا کام لے لیتے ہو''۔ (مفتی تقی عثمانی)

سیاق وسباق کے لحاظ سے دیکھیں تو اللہ تعالیٰ یہاں اپنی قدرت اور معجزوں کا بیان فرمارہے ہیں۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہرے بھرے درختوں کے اندر جلنے اور آگ پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے۔ ان کی لکڑیوں کو تم لوگ خشک کر کے جلاتے ہو اور آگ کے حوالے سے اپنی مختلف ضروریات پوری کرتے ہو۔ اس کے علاوہ اس سے بعض ایسے درخت بھی مراد ہیں جن کی سبز ٹہنیوں کو رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بانس کی بعض اقسام میں یہ صلاحیت موجود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحراؤں میں خاص طور پر بعض ایسے درخت پیدا کر رکھے ہیں جن کی مدد سے مسافر ضرورت پڑنے پر آگ پیدا کرسکیں۔ جیسے کہ عرب کے صحراؤں میں مَرخ اور عَفار نامی دو درخت پائے جاتے تھے' جن کی سبز شاخوں کو آپس میں رگڑ کر آگ پیدا کی جاسکتی تھی۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ایک عظیم الشان حیاتیاتی راز کو چودہ سو سال پہلے آشکار کر دیا گیا تھا جس کے متعلق سائنس دانوں کو چند سو سال پہلے علم ہوا ہے کہ جلنے کا عمل (combustion) اشیاء میں آکسیجن اور کاربن کے امتزاج سے واقع ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ دریافت ہوا کہ پودے اور سبز درخت فضا میں سے کاربن ڈائی آکسائیڈ لے کر سورج کی توانائی کو استعمال کر کے اپنے لیے غذا تیار کرتے ہیں اور اس عمل کے ذریعے فضا میں آکسیجن کا اخراج کرتے ہیں' جس کے بغیر جلنے کا عمل (oxidation) نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا آگ کا ظہور سرسبز درختوں سے نکلنے والی آکسیجن کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جانداروں کے سانس لینے کے عمل میں اور جلنے کے عمل میں آکسیجن استعمال ہوتی ہے اور (درختوں کے برعکس)

اس عمل میں کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج ہوتی ہے' جسے درخت دوبارہ استعمال میں لاکر آکسیجن فضا میں شامل کر دیتے ہیں' جس سے جلنے کا عمل ہوتا ہے اور یہ چکر یونہی چلتا رہتا ہے۔

اس آیت (۸۰) کا سیاق وسباق بھی ملاحظہ ہو۔ آیت ماقبل اور آیت مابعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی زبردست قدرت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوا:

﴿قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ۝۷۹﴾

''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ ان (بوسیدہ ہڈیوں) کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ اپنی ہر تخلیق کا مکمل علم رکھنے والا ہے۔''

اور آیت مابعد میں فرمایا:

﴿اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۙ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ۝۸۱﴾

''کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کرسکے؟ کیوں نہیں! وہ تو سب کچھ پیدا کرنے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آیت زیرِنظر کا اگر یہ ترجمہ کیا جائے کہ ''اللہ نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی جسے تم سلگاؤ گے''۔ تو یہ مطلب بھی بنتا ہے کہ زمانہ قدیم میں جھاڑیاں اور اونچے اونچے درخت ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہوتے رہے' پھر زلزلوں اور دیگر تعاملات سے یہ زمین میں دب گئے اور سخت دباؤ اور حرارت سے کوئلے میں تبدیل ہوگئے' جسے آج ہم جلانے کے لیے اپنے استعمال میں لارہے ہیں۔ اصل مفہوم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔

زمین کی بیضوی شکل

سورۃ النازعات میں ارشاد ہوا:

﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا۝۳۰﴾

''اور اس کے بعد اُس نے زمین کو بیضوی (شترمرغ کے انڈے کی) شکل دی۔''

اس آیت مبارکہ کی دیگر تشریحات میں اس کے معنی اس طرح ہیں: ''اُس نے زمین کو پھیلا دیا''۔ ''اُس نے زمین کو بچھا دیا''۔

اس آیت مبارکہ کا اوّل الذکر ترجمہ استنبول کے شعبہ مذہب (Istanbul Faculty of

(Theology کے ایچ بی چینتے (H.B Cantay) اور ڈاکٹر علی اوزیک (Dr. Ali Ozek) کی شہرۂ آفاق تفسیر سے لیا گیا ہے۔

تشریحات میں فرق لفظ ''دَحٰھَا'' کے معنی میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ عربی زبان میں ''دَحٰی یَدْحٰی دَحْیًا'' کا معنی پھیلانا ہے۔ تاہم اس لفظ کا ماخذ یا اشتقاق شترمرغ کے انڈے سے ضرور نسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ ریت میں شترمرغ کے انڈے دینے کی جگہ کو ''الأُدْحِی، الأُدْحُوَّة ، الأُدْحِیَّة اور مَدْحٰی'' کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے مترجمین اور مفسرین اس لفظ کا معنیٰ ''پھیلانا اور بچھانا'' ہی کرتے آئے ہیں، لیکن اس میں ''بیضوی شکل دینا'' کا مفہوم بھی موجود ہے، جس کی طرف دورِ حاضر کے بعض مفسرین نے توجہ مرکوز کی ہے۔ آیئے ان نکات پر غور کرتے ہیں جن کے تحت اس کی تعبیر زمین کی بیضوی شکل کی نسبت سے متعلق ہے۔

(۱) تمام مخلوقات کے انڈوں میں سے شترمرغ کا انڈہ ہی ایسا ہے جو ایک کرے سے نزدیک ترین مشابہت رکھتا ہے۔

(۲) زمین کی شکل مکمل گول کی بجائے تھوڑی سی بیضوی ہے۔ خط استوا کی طرف سے اس کا قطر بڑا ہے، جبکہ قطبین پر اس کا محیط ذرا کم ہے۔

(۳) یہ آیت زمین کو چپٹی ہونے کی بجائے (شترمرغ کے انڈے کی نسبت سے) گول ظاہر کرتی ہے۔ مزید برآں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی ابتدائی صورت میں زمین موجودہ شکل میں نہیں تھی۔

اس آیت کریمہ کو اس اہم پہلو سے اس لیے بھی دیکھنا چاہیے کہ اسے سورۃ النازعات میں بیان کیا گیا ہے جو کہ تخلیق سے متعلق متعدد اَسرار کو بیان کرتی ہے۔ اس سورۃ کی آیات ۲۸ تا ۳۲ میں زمین کی تخلیق کا خلاصہ دے دیا گیا ہے۔

آیات ۳۱۔۳۲ یہ اعلان کرتی ہیں کہ جب زمین نے بیضوی شکل اختیار کر لی تو بالترتیب پہلے اس پر پانی کا انتظام کیا گیا، پھر نباتات پیدا کی گئیں اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے گئے۔

مٹی میں پوشیدہ زندگی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

یَاْكُلُوْنَ﴿۳۳﴾﴾ (یٰسٓ)

''ان لوگوں کے لیے مردہ زمین ایک نشانی ہے، ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس سے غلّہ نکالا، تو اسے یہ کھاتے ہیں۔''

قرآن حکیم میں جہاں بھی ''یہ نشانی ہے'' کے الفاظ آتے ہیں تو سمجھ لیں کہ اس آیت میں بہت بڑی حکمتیں اور سائنسی حقائق چھپے ہوئے ہیں اور عقل والوں اور غور و فکر کرنے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کا کھوج لگائیں اور اللہ کی عظمت و کبریائی کا ادراک کریں۔

زمین اپنے ابتدائی دور میں زندگی سے خالی تھی یعنی مردہ تھی۔ جب یہاں زندگی کے لیے تمام وسائل مہیا کر دیے گئے تو زندگی کا ظہور فرمایا گیا۔ آیت کریمہ کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ مٹی جسے تم بے جان سمجھتے ہو، حقیقت میں بہت زیادہ زندگی کی حامل ہے۔ صرف ایک صدی پہلے ہی یہ معلوم ہوا ہے کہ مٹی کے اندر زندہ مخلوق بیکٹیریا وغیرہ (organisms) موجود ہیں اور ابھی پچاس سال پہلے مٹی کے تجزیے سے معلوم ہوا کہ تمام زمینی سطحی مٹی (soil) ۷۰۔۸۰ فیصد بیکٹیریا پر مشتمل ہے۔ گویا زمین زندہ مخلوق کی کالونی ہے۔ عام زرعی زمین کے ایک ایکڑ کی صرف چھ انچ گہری مٹی کا تجزیہ کیا جائے تو اسی میں کئی ٹن زندہ بیکٹیریا، ایک ٹن پھپھوندی (fungus)، دو ہزار پاؤنڈ یک خلوی جرثومے (Single Cell Protozoa)، ایک ہزار پاؤنڈ خمیر پیدا کرنے والے جسمیے اور ایک سو پاؤنڈ کے قریب کائی (Algae) موجود ہوتی ہے۔ یہ سب نہ صرف زندہ اجسام ہیں بلکہ دیگر نباتات کے لیے زندگی بخش بھی ہیں۔ اسی لیے آگے ارشاد ہے کہ ''اور اس سے غلہ نکالا''۔ مٹی میں موجود یہ تمام جسمیے نہایت اہم اور پیچیدہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ یہ مٹی میں موجود نائٹروجن کو اپنی جسمانی لیبارٹری میں نہایت پیچیدہ عمل سے synthesis کر کے نباتات کے لیے ضروری مرکبات تیار کرتے ہیں۔ اس عمل کے لیے انہیں پانی / بارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بارش کے ساتھ ہی مٹی میں سے زندگی پھوٹ پڑتی ہے۔

دوسری قسم کے زمینی جرثومے (Soil Bacteria) جن کو تجزیاتی گروپ (Analytical Group) کہتے ہیں، ہر اُس چیز کو جو زمین پر گرتی ہے توڑ پھوڑ کر اس کی بنیادی اکائیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور اس آمیزے کو پہلی قسم کے جسمیوں کے لیے نئے مرکبات بنانے (synthesis) کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں تاکہ وہ اجزاء دوبارہ نباتات کے استعمال

کے قابل ہوسکیں۔ گویا یہ مٹی ایک عظیم کیمیاوی کارخانہ ہے جو ناکارہ مردہ اَجزاء کو دوبارہ قابلِ استعمال بنانے کا کام کرتا ہے۔ بارش کے پہلے قطروں کے گرنے سے خشک مٹی سے اٹھنے والی سوندھی سوندھی خوشبو انہی جرثوموں کے عمل تخریب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گیسوں کی وجہ سے پھیلتی ہے۔ ان کا وجود نباتاتی زندگی (جس کی بنیاد پر حیوانی زندگی کا انحصار ہے) کے لیے ناگزیر ہے۔ نباتات کے علم میں مٹی (soil) کو مکمل طور پر ایک زندہ ڈھانچہ سمجھا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ کا زندہ معجزہ یہ ہے کہ اس حقیقت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں آگاہ کر دیا تھا۔ ایک اور دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ اگر کافی عرصہ تک مٹی کو پانی نہ ملے اور وہ بالکل خشک ہو جائے تو زمین میں موجود یہ نازک جسیمے spores یا خشک بیجوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور سالوں بے حس بے جان پڑے رہتے ہیں۔ جونہی انہیں بارش یا پانی میسر آتا ہے تو وہ اپنی اصل شکل میں آکر دوبارہ اپنے افعال سرانجام دینا شروع کر دیتے ہیں۔ درج ذیل آیت اسی چیز کو بیان کرتی ہے:

﴿وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹﴾ (فاطر)

''اور اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' پھر وہ ابھارتی ہیں بادلوں کو' پھر ہم اس (بادل) کو ہانکتے ہیں کسی خشک زمین کی طرف' پھر ہم اس سے اس زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد ازسرنو زندگی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح سے (لوگوں کا) ازسرنو زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔''

محولہ بالا آیت کریمہ (یٰسٓ:۳۳) کے دوسرے حصے میں زندگی کے تسلسل کا اصول بیان کیا گیا ہے کہ مٹی میں زندگی کی ابتدا کر کے اور زمین میں organic matter اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ نے نباتات پیدا کیے جو دوسری جاندار مخلوق کے لیے بنیادی ڈھانچہ مہیا کرتے ہیں۔

آیت کریمہ میں دانے (حَبًّا) کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک طرف دانہ پودے کا بیج ہے جس میں اس پودے کے متعلق تمام معلومات درج ہیں جن کے مطابق اس پودے نے جنم لینا ہے اور نشوونما پانا ہے۔ دوسری طرف وہ دیگر جانداروں کے لیے ایک مکمل خوراک بھی ہے جس میں زندگی کے لیے درکار نشاستہ (carbohydrates)' لحمیات (protein)' چکنائی (lipids)' وٹامنز اور معدنیات وغیرہ موجود ہیں۔

زمین میں اشیاء کی موزونیت اور تناسب

﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹﴾ (الحجر)

''اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیے اور اس میں ہر نوع کی شے ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار میں پیدا کی۔''

زمین کی بناوٹ اتنے نازک توازن پر قائم ہے کہ اس میں ذرا بھی کمی بیشی یہاں زندگی کے وجود کو ناممکن بنا دیتی ہے۔ اس کا ۲۳ء۵ ڈگری پر اپنے محور پر جھکاؤ ہی بڑے نازک حساب کتاب کا معاملہ ہے۔ مثلاً اگر زمین کا جھکاؤ ۲۵ ڈگری پر ہو جائے تو قطبین پر جمی برف چند سالوں میں ہی پگھل کر ختم ہو جائے اور اگر یہ جھکاؤ دوسری طرف یعنی ۲۲ ڈگری پر ہو جائے تو قطب شمالی کی برف بڑھ کر سارے یورپ کو برف میں بدل دے اور زندگی کا وجود کچھ خط استوا کے علاقوں تک ہی محدود ہو جائے۔ پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ زمین کو اس کے خالق نے بہت نپے تلے طریقہ سے بچھایا ہے۔ اسی طرح اس زمین سے جو نکلتا ہے یعنی جو اس کی پیداوار ہے وہ بھی نہایت نپی تلی مقدار میں پیدا کی گئی ہے۔

اب تک کی تحقیقات کے مطابق پودوں' حیوانوں اور جراثیموں (بیکٹیریا) کے درمیان ایک متوازن عمل اور ردِّعمل کا سلسلہ جاری ہے۔ بیکٹیریا کے ذمے یہ کام ہے کہ وہ فضا اور حیوانی مادوں سے نائٹروجن حاصل کر کے اسے پودوں تک پہنچاتے ہیں۔ پودے آکسیجن بناتے ہیں جو حیوانوں اور دیگر جانداروں کی ضرورت ہے۔ یہ جانور کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا کرتے ہیں جو پودے استعمال کرتے ہیں اور آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ اسے زندگی کی زنجیر بھی کہتے ہیں۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ فضا میں آکسیجن کا ۲۱ فیصد ہونا زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔ اسے قائم رکھنے کے لیے اتنی ہی مطلوبہ مقدار میں نباتات اگتے ہیں جن سے فضا میں آکسیجن کی مقدار ۲۱ فیصد رہے۔ یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اُگائیں۔ کروڑوں سال پہلے زمین نباتات سے بھری پڑی تھی تاکہ آکسیجن کی مقدار کو ۳۵ فیصد تک لایا جائے۔ ایسے پودوں کی مناسبت سے ہی عظیم الجثہ ڈائناسارز (Dinosaurs) وجود میں آئے تھے۔ بالآخر آکسیجن کی مقدار ۲۱ فیصد سے بڑھنے

لگی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارضیاتی تبدیلیوں سے ان عظیم نباتات کو زمین میں دفن کر دیا اور ڈائنا سارز روئے زمین سے ناپید ہو گئے۔ اس کے علاوہ انسانی غذائی ضروریات‘ باقی مقاصد اور دیگر کاموں کے حساب سے نباتات پیدا کی گئیں۔

اسی طرح سمندروں میں لاکھوں سال سے پانی بھاپ بن کر اڑتا اور پھر دریاؤں کے ذریعے واپس سمندروں میں اُترتا ہے۔ اس چکر میں زمین سے نمکیات اور معدنیات گھل گھل کر سمندر میں شامل ہوتے رہتے ہیں‘ مگر سمندر کے پانی میں نمک کی مقدار ایک مخصوص حد سے زیادہ نہیں بڑھتی۔ یہ بھی قدرت کا خودکار نظام ہے۔ اس طرح کے بے شمار خودکار اور نازک نظام اس کرۂ ارض پر کام کر رہے ہیں‘ جن میں سے اکثر سے ہم اب بھی لاعلم ہیں۔

حرفِ آخر

انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بنائی ہوئی کسی بھی شے سے بہتر ڈیزائن کا دعویٰ نہیں کر سکا‘ بلکہ اسے تصوّر میں بھی نہیں لا سکا ہے۔ اور نہ ہی انسان الٰہی تخلیق میں کہیں عدم تناسب یا ہم آہنگی کے فقدان کی نشان دہی کر سکا ہے‘ بلکہ وہ زمین و آسمان میں اس حسابی کمپیوٹرائزڈ عدل و توازن کی تعریف کے ساتھ ساتھ اشیاء کی حسین و جمیل ساخت کی تعریف کرنے پر بھی مجبور ہے جو تمام کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ حدیث نبوی ہے: ((اِنَّ اللّٰہَ جَمِیلٌ یُحِبُّ الجَمَالَ)) (صحیح مسلم) ’’یقیناً اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے‘‘۔ روئے زمین پر بچھا سبزہ‘ اشجار اور نباتات زمین کا زیور ہیں۔ خوبصورت رنگ برنگے پرندے اور جانور اپنے مقاصد تخلیق کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی باذوق مصور کا شاہکار بھی ہیں: ﴿ھُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ﴾ (الحشر:۲۴)

اگر ہم کائنات میں غور و فکر حکم خداوندی سمجھ کر کریں تو یہ عین عبادت ہے‘ کیونکہ اس طرح ہم اپنے خالق و مالک کی عظمت و کبریائی کا ادراک کر سکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ﴿۴۶﴾﴾ (یٰسٓ) ’’ان کے سامنے ان کے رب کی آیات میں سے جو آیت بھی آتی ہے یہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے‘‘۔ یہاں آیات سے مراد نہ صرف آیاتِ قرآنی ہیں بلکہ صحیفۂ کائنات پر پھیلی ہوئی بے شمار نشانیاں بھی ہیں جن سے روگردانی کرنا احکامِ خداوندی سے انحراف کے مترادف ہے۔ کائنات کے مطالعے سے

ہی یہ راز کھلا ہے کہ سارا عالَم ایک جیسے مادّے سے بنا ہے اور قوانین فطرت تمام کائنات میں ایک جیسے ہی ہیں۔ یہ کھلا ثبوت ہے کہ یہ کائنات ایک ہی ہستی کی تخلیق کردہ ہے اور اسی ہستی کے وضع کردہ اصول وضوابط کے تحت کام کر رہی ہے۔ اس کائنات کے مطالعے سے ہی علم ہوتا ہے کہ یہ حکمت وصناعی سے بھرپور کائنات خود بخود وجود میں نہیں آ گئی بلکہ اس کے پیچھے کوئی عظیم منصوبہ ساز ہے۔ جب ہم کائنات کی وسعتوں اور زمین پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت و جبروت اور کاریگری کے نمونے دیکھتے ہیں تو حیرت سے ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے: ((رَبِّ زِدْنِی فِیکَ تَحَیُّرًا)) ’’یارب! ایسا کر کہ تیری ذات کے متعلق میری حیرت بڑھتی ہی چلی جائے!‘‘

مشہور مغربی مفکّر کالرج (Coleridge) کا قول ہے: ’’علم کی انتہا حیرت ہے‘‘۔ کائنات کی وسعتوں اور اس کے عظیم الشان نظام کو دیکھ کر اس کے خالق کے لامتناہی جلال و جبروت سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸) ’’یقیناً اللہ سے اُس کے اہلِ علم بندے ہی ڈرتے ہیں‘‘۔

انسان اگر سوچے تو کھربوں دنیاؤں کی اس کائنات میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اسے کس چیز کا نشہ اور غرور ہے۔ یہ تو اس کے خالق و مالک کا اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے عزّت دے‘ جسے چاہے ذلیل کر دے۔ ہماری تو یہی دعا ہونی چاہیے کہ یا اللہ! تیری طرف سے جو بھی ہدایت پہنچی‘ میں نے اس پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں سمجھ سے دانستہ اور نادانستہ طور پر جو غلطیاں یا کوتاہیاں ہوئی ہیں‘ میں نے شیطان کی طرح اس کا کوئی جواز پیش نہیں کیا‘ بلکہ استغفار اور توبہ کی ہے‘ معافی طلب کی ہے‘ کیونکہ اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا تو ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں رہ جائیں گے۔

۞۞۞

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

ایک ملحد پی ایچ ڈی سکالر سے مکالمہ

محمد رضوان خالد چوہدری

میرے استاد نے مجھے ایران سے آئی ایک سٹوڈنٹ سے بات کرنے کے لیے کہا جو علی الاعلان اسلام چھوڑ چکی تھی۔ میں نے اسے ڈاکٹر صاحب کا حوالہ دے کر ملنے کا وقت مانگا۔ ملاقات ہوئی اور جیسے ہی اسے پتہ چلا کہ بات اسلام سے متعلق ہے تو وہ کہنے لگی: میں اٹھائیس سال ایران میں اسلام دیکھ کر ہی یہاں آئی ہوں' اگر اسی اسلام کی بات کرنے آئے ہو تو اپنے اسلام سمیت یہاں سے چلے جاؤ۔ مَیں نے کہا: نہیں! مَیں تو اُس اسلام کی بات کرنے آیا ہوں جو قرآن بتاتا ہے۔ ایران اور سعودی عرب میں جو کچھ موجود ہے مَیں اسے اسلام کا چربہ سمجھتا ہوں۔ وہ یہ سن کر کچھ نرم پڑی' لیکن کہنے لگی: میں نے تسلیم کرلیا ہے کہ میں کائنات میں اور کائنات خود ایک حادثے کے باعث موجود ہیں۔ مَیں نے کہا: چلیے ہم یہ مان لیں گے' لیکن کیوں نہ کائنات اور ہمارے نفس میں موجود ان نشانیوں کی بات کرلیں جن پر قرآن غور کرنے کو کہتا ہے؟ پھر اللہ نہ ملا تو تم اکیلی کیوں اسلام سے نکلو' اکٹھے ہی چلیں گے۔ وہ مان گئی۔

میں نے اسے کہا: تم نے کبھی سوچا قرآن میں اللہ یہ کیوں کہتا ہے کہ تم میری ایک بھی نعمت کا شمار نہیں کر سکتے۔ وہ بولی: ایک نعمت کا شمار.... کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔ ایک تو ایک ہی ہے' ایک کا شمار کون کرتا ہے؟ میں نہیں جانتی تھی قرآن میں اتنی مزاحیہ باتیں بھی ہیں۔ مَیں بولا: چلو ایک نعمت کا شمار کرتے ہیں۔

مَیں نے اس ملحد ایرانی لڑکی سے کہا: چلیے میں تھوڑی دیر کے لیے تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ کائنات کے اس خاص حصے یعنی زمین پر تمہاری موجودگی ایک حادثہ ہے۔ حادثے کی دین ہی سہی تم اس زندگی کو ایک نعمت تو مانتی ہو نا؟ وہ کچھ کنفیوز ہوگئی اور بولی: نعمت کہوں گی تو تم کہو گے یہ نعمت دینے والا بھی کوئی ہوگا' کیا تم یہی گھسی پٹی دلیل لے کر آئے ہو؟ مَیں نے کہا: تم نتیجے پر

چھلانگ کیوں لگاتی ہو؟ تم بھول گئیں کہ ہم تمہاری بات مان کر آگے بڑھ رہے ہیں کہ کائنات اور زندگی ایک حادثہ ہے۔ میرا سوال تو بہت سادہ ہے' کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ اس حادثے کے باعث تمہیں زندگی ملی؟ وہ بولی: ہاں! یہ اتفاق حسین ہے۔ میں نے پھر پوچھا: گویا زندگی کو تم بہرحال نعمت سمجھتی ہو۔ وہ کہنے لگی: ہاں زندگی ایک نعمت تو ضرور ہے۔ میں اُس کے اس اقرار سے خوش ہوا اور کہا: چلیے اب اِس نعمت کو شمار کرتے ہیں۔

وہ مسکرا کر کہنے لگی: یعنی اب تم قرآن کی اس بات کی طرف آرہے ہو کہ ''تم اللہ کی ایک نعمت کو بھی نہیں گِن سکتے''۔ مَیں نے کہا: کیا تمہیں خوشی نہیں ہوگی اگر تم اسے گِن کر قرآن کا دعویٰ جھوٹا ثابت کردو اور تمہیں میری شکل میں ایک ایسا دوست مل جائے جو اسلام چھوڑ کر تمہارا ہم نوا ہوجائے؟ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا: چلو پھر گنتے ہیں اس نعمت کو۔ مَیں بولا: زندگی ایک ایسی حقیقت ہے جسے دُنیا میں برقرار رہنے کے لیے کئی لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے' جیسے آکسیجن' پودے اور پانی۔ کیا ہمیں زندگی کے ان لوازمات کو زندگی میں ہی شمار نہیں کرنا ہوگا؟ وہ بولی: ہاں ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ان تین کے علاوہ دس ایسی چیزیں اور ہیں جو زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ یہ ہوگئے دس لوازمات اور یہ لو، گِن لی ایک نعمت۔ اب قرآن کے دعوے کا کیا کریں جو کہتا ہے کہ تم ایک نعمت نہیں گِن سکتے؟

میں نے کہا: تم پھر نتیجے پر چھلانگ لگا رہی ہو۔ ابھی تو مجھے پانی کے بارے میں بات کرنی ہے' اُس کے بعد سینکڑوں دوسرے لوازمات کے بارے میں جو میرے علم میں ہیں۔ وہ ہنس کر بولی: یعنی ہماری بات اگلے کئی دن چلے گی۔ مَیں نے کہا: کئی سال بھی مکالمہ جاری رہے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم اپنے یہاں موجود ہونے کی وجہ ہی تو ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ بولی: چلو پھر پانی کی بات کرو!

مَیں نے کہا: ٹھیک ہے' اب بیس منٹ مَیں بولتا جاؤں گا' تم سنتی جانا۔ جو سوال ہو اپنے نوٹس میں لکھتی رہو' آخر میں پُوچھنا۔ اُس نے سر ہلاتے ہوئے اپنی نوٹ بُک کھول لی اور ایک صفحے پر بڑی سی ہیڈنگ 'مذہبی فضولیات' لکھ کر اُس ہیڈنگ کے نیچے لائن لگا دی۔ پھر مجھے اپنے لکھے کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا تو جھینپ کر بولی: میں شرمندہ ہوں لیکن مجھے فخر ہے کہ میں بددیانت نہیں ہوں' جو دل میں ہوگا وہی کہوں گی۔ مَیں نے کہا: شرمندگی کی کوئی ضرورت نہیں' دیانت ہی

چاہیے۔ مجھے یقین ہے میری بات بھی تم اسی دیانت داری سے اپنے دل میں پراسس کرو گی۔ وہ بولی: یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ اب تم بیس منٹ بول سکتے ہو‘ میں دخل انداز نہیں ہوں گی۔

مَیں نے بولنا شروع کیا: دیکھیے! زندگی جو ایک نعمت ہے‘ کے ہزاروں لاکھوں یا شاید کروڑوں لوازمات میں سے ایک اہم چیز پانی ہے۔ اب یہ تو سائنس بتا چکی کہ زمین جب بنی اس میں باہر سے جتنا پانی آیا تھا اس کے بعد سے نہیں آیا۔ قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ پانی باہر سے ہی زمین پر آیا تھا۔ لیکن اس نکتے پر پھر بات کریں گے‘ اسے اپنے نوٹس میں لکھ لو اور غور کرو‘ جب حادثے سے دُنیا بن گئی اور مزید پانی بھی نہیں آیا تو پھر زمین پر پانی ختم کیوں نہیں ہوا؟ اس کی وجہ مبیّنہ حادثے سے ہی زمین کے گرد بننے والی وہ اوزون کی تہہ ہے جو نہ صرف سورج سے نکلنے والی مہلک ریڈی ایشن کو زمین پر پہنچ کر زندگی ختم کرنے سے روک لیتی ہے بلکہ اس پانی کو بھی ایک حد سے اوپر نہیں نکلنے دیتی جو سمندروں سے بھاپ بن کر بظاہر ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اوزون کی تہہ نہ ہوتی تو زمین کا پانی ختم ہو جاتا۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ جب یہ پانی جو کھارا اور پینے یا خشکی کے پودوں کے قابل نہ تھا اوپر جاتا ہے تو وہاں بجلیاں کڑکنے سے اس میں نائٹروجن بھی شامل ہو جاتی ہے جو پودوں کے لیے ضروری ہے اور بارش کے ذریعے نیچے آتے ہوئے اس کا کھارا پن بھی جاتا رہتا ہے۔ کیسا خوبصورت حادثہ تھا کہ اس نے ان باریکیوں کا بھی خیال رکھا.... ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔ چونکہ پانی خشکی کا دو تہائی سے بھی زیادہ ہے‘ اس لیے سمندروں سے بھاپ بن کر اُڑنے والا پانی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اگر یہ سارا نیچے آ جائے تو زمین ڈوب جائے۔ حادثے نے اس بات کا بھی خیال رکھا کہ چند فیصد بھاپ بارش کی شکل میں بنجر زمین سیراب کیا کرے اور باقی بھاپ اوپر صاف ہو کر برف کی شکل میں نیچے آئے۔ اُس میں سے بھی کچھ پگھل جایا کرے‘ باقی گلیشیئرز کی صورت میں محفوظ ہو جائے اور ان دنوں میں بھی آہستہ آہستہ پگھل کر زندگی کو فلٹرڈ پانی دیتی رہے جب بارشیں نہ ہوں۔ ذہن میں یہ سوال اٹھے گا کہ سمندر کا پانی کھارا ہی کیوں ہے؟ یہی صاف ہوتا تو زندگی کی حفاظت کے لیے باقی حادثوں کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ دیکھیے! اگر سمندر کا پانی کھارا نہ ہوتا تو وہ آبی مخلوقات ہی نہ ہوتیں جو صرف کھارے پانی میں زندہ رہ سکتی ہیں اور اُن کی زندگی انسانوں سمیت زندگی کی دیگر شکلوں کے لیے بہت ضروری ہے۔

اب حادثے کا ایک اور کرشمہ دیکھیے کہ سمندر میں موجود زندگی کی حفاظت کے لیے حادثے پر حادثہ یہ ہوا کہ پانی جو زمین پر حادثاتی طور پر آیا تھا‘ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جمے تو نیچے کی بجائے اوپر آتا ہے۔ یعنی اوپر سے جو پانی برف کی شکل میں گلیشیئر زبن کر خشکی پر رہا وہ تو زندگی بچا ہی رہا ہے‘ جو باقی برف سمندر پر گری وہ ڈوبنے یا نیچے جانے کی بجائے پانی کی سطح پر رہتی ہے۔ وہ سطح سردیوں میں موٹی ہو جاتی ہے اور سردیوں میں سردی نیچے پانی میں نہیں جانے دیتی جہاں وہ کروڑوں مخلوقات زندہ ہی نہ رہیں اگر باہر کی شدید سردی سے پانی ایک خاص حد سے زیادہ ٹھنڈا ہو جائے۔ کتنے کمال کے حادثے ہیں جو مسلسل ایک دوسرے سے مل کر کام کر رہے ہیں اور مزید کوئی ایسا نیا حادثہ بھی نہیں ہوا جو تسلسل سے ہونے والے حادثوں کا تسلسل اور وہ فریکوئنسی توڑ دے جو ہلکی سی بھی بدل جائے تو وہ زمین پر ہر قسم کی زندگی کا آخری دن ہو۔ گویا حادثے میں ایسے کسی حادثے سے ہمیشہ کے لیے بچنے کا انتظام بھی حادثاتی طور پر موجود تھا‘ تاکہ زمین پر حادثاتی طور پر پیدا ہونے والی زندگی کسی حادثے کے باعث ختم نہ ہو جائے۔

دیکھیے! یہ ساری کہانی آسمان کے ہماری زمین سے اُڑنے والے پانی کے واپس لوٹ آنے سے شروع ہوئی تھی اور جس دین کی بات میں تم سے کرنے آیا ہوں اُس کا بھیجنے والا قرآن میں کہہ رہا ہے کہ ہم نے جو آسمان بنایا اس کی یہ صفت رکھی کہ وہ واپس کرنے والا ہے۔ وہ جو آنکھیں بڑی کیے سن رہی تھی بولی: واؤ! یہ قرآن میں کہاں لکھا ہے؟ جب اُس ملحد لڑکی نے مجھے ٹوکا تو لگا جیسے میں اس منظر سے باہر نکل آیا ہوں جو اللہ کی ایک نعمت کا شمار کرتے ہوئے میرے لاشعور میں چل رہا تھا۔

’’یہی طے ہوا تھا نا کہ تم اپنے سوالات ’مذہبی فضولیات‘ والی ہیڈنگ کے نیچے لکھتی رہو گی اور اپنی باری پر پوچھو گی‘‘۔ مَیں نے اُس سے پُوچھا تو وہ بولی: سوری‘ رہا نہیں گیا‘ یہ بہت سرپرائزنگ ہے کہ قرآن نے تمہارے بقول آسمان کو لوٹانے والا کہا ہے‘ اور ہماری ڈسکشن سے یہ تو واضح ہے کہ اوزون میں پانی لوٹانے والی صفت نہ ہوتی تو زمین پر زندگی پیدا ہی نہ ہو سکتی۔ تبھی مجھے تجسّس ہوا کہ دیکھوں قرآن میں آسمان کے لوٹانے کی خصوصیت کا کہاں ذکر ہے؟

مَیں نے اُسے سُورۃ الطارق کی گیارھویں آیت دکھائی: ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪﴾ قرآن کے تراجم عموماً ’’الرَّجْع‘‘ کا سادہ سا مطلب کرتے ہیں۔ میں نے اُسے قرآن کی چھ الگ

الگ تفاسیر اور لغت دکھائی تو وہ کہنے لگی: ہاں ٹھیک ہے' ابھی تک تم اپنا کیس ٹھیک پیش کر رہے ہو۔ آگے دیکھتے ہیں۔

مَیں بولا: لیکن تم اب سوال لکھتی رہو گی اور اپنی باری آنے پر پُوچھو گی۔ اُس نے ہاں میں سر ہلایا تو میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا: مَیں تمہیں پانی اور خشکی کا وہ تناسب بھی قرآن میں دکھا سکتا ہوں جو اس وقت زمین پر موجود ہے۔ چاہو تو اس نکتے کا اپنے نوٹس میں اضافہ کر لو۔ ہم پانی پر مزید بات کر سکتے ہیں' لیکن اب تم نے ردہم توڑ ہی دیا ہے تو کیوں نہ ہم اس حادثے کی طرف چلیں جس نے یہ دنیا تشکیل دی تھی۔

وہ بولی: ویسے تو میں اپنے بارے میں جاننا چاہتی ہوں کہ میں یہاں کیوں ہوں؟ لیکن تم پیچھے جانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں' لیکن پہلے مجھے اس آیت کے لفظ کی تشریح کی تصویریں لینے دو۔ وہ تصویریں لینے لگی تو میں نے پُوچھا: یہ بتاؤ تمہارا فون کیا جدید ترین ہے؟ وہ بولی: چند مہینے پرانا ہے' لیکن جدید ترین کے قریب ہے۔ اس کا کیمرا کتنے میگا پِکسلز کا ہے؟ مَیں نے پُوچھا۔ وہ بولی: شاید بارہ میگا پِکسلز کا ہے۔ میں بولا: کیا تم جانتی ہو جو حادثہ تمہاری اور تم جیسے اربوں انسانوں کی تخلیق کا باعث بنا وہ اتنا شاندار تھا کہ اُس نے تمہاری آنکھوں میں ۵۷۶ میگا پکسلز کے دو کیمرے نصب کر دیے ہیں۔ یہ کیمرے جو تصویریں کھینچ کر تمہارے دماغ کو بھیجتے ہیں وہ اتنے وقت میں ان تصویروں میں موجود ایک کروڑ سات لاکھ رنگ اور دیگر چیزیں شناخت کر سکتا ہے' جو ایک سیکنڈ سے بھی اتنا کم ہے کہ ہم اُسے ماپ نہیں سکتے۔

اس حادثے سے صرف یہی نہیں ہوا' بلکہ اس حادثے نے تمہارے جسم میں بارہ ایسے پیچیدہ ترین نظام تشکیل دیے جن کی تمام جزئیات ہم ابھی تک نہیں جان پائے ہیں اور ''حادثاتی طور'' پر یہ سب نظام مل کر کام کرتے ہیں تاکہ تمہاری زندگی برقرار رہے۔ لیکن ہم تمہاری بات بعد میں کریں گے' پہلے ابتدائی حادثے کی طرف چلتے ہیں۔

اس کی سوچتی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اُس کی خود سے جنگ جاری ہے۔ ہوں ہاں کیے بغیر وہ میری طرف دیکھتی رہی۔ مَیں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: کیا سائنس معلوم کر چکی کہ کائنات کی لمبائی چوڑائی کتنی ہے؟ وہ بولی یہ ممکن نہیں ہے!

مَیں نے کہا: مَیں جانتا ہوں' کیوں کہ سائنس اب کہتی ہے کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔

قرآن نے چودہ سو سال پہلے یہی کہا تھا' نوٹ کر لو' میں ریفرنس دوں گا۔ بائبل سمیت ساری دنیا پچھلی صدی تک سورج کے ساکن ہونے کو ''یونیورسل ٹروتھ'' کہتی تھی' قرآن نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا کہ سبھی ستارے سیارے اپنے لیے طے کردہ مداروں میں گھوم رہے ہیں۔ اب یہ بات کامن سینس کی ہے' لیکن چودہ صدیوں پہلے کی دُنیا میں تصور کرو ایسا کون سوچ سکتا تھا۔ میں نے دیکھا وہ اپنے سوالات لکھ رہی ہے۔

مَیں نے کہا: تم مانتی ہو چودہ ارب سال پہلے ایک دھماکے کے ذریعے یہ کائنات بنی تھی۔ مَیں یہ پُوچھوں گا ہی نہیں کہ جس نے ڈھائی سو ارب سے زیادہ کہکشائیں تشکیل دیں وہ دھماکہ ہوا کس چیز میں تھا؟ دھماکے سے پہلے کیا تھا؟ کیا یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری دھماکہ تھا یا ایسے حادثے کہیں اور بھی ہوئے؟ میں پُوچھ بھی لوں تو کیسے جواب دو گی' کیونکہ سائنس تو ابھی یہ سب جانتی ہی نہیں۔ مَیں تو اس حادثے کی خوبصورتی کی طرف تمہیں متوجہ کرنا چاہتا ہوں' دیکھو ''خود بخود ہونے والے اس حادثے'' کے نتیجے میں کھربوں سورج بنے۔ ہر سورج کے ساتھ بہت سی زمینیں بنیں۔ پھر حادثے ہی کی بنیاد پر ہماری بھی ایک زمین بنی اور حادثاتی طور پر ہی سورج کے گرد اور اپنے محور کے گرد گھومنے لگی اور گھومی بھی ۲۳٫۵ ڈگری جھکاؤ پر جو اگر آدھا ڈگری بھی کم یا زیادہ ہوتا تو زمین پر زندگی نہ ہوتی۔

لیکن مان لیا ہو گیا اتفاق۔ پھر ایک اور اتفاق یہ بھی ہوا کہ یہ زمین اپنے محور کے گرد چار سو ساٹھ میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے اور سورج کے گرد ایک لاکھ دس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومنے لگی۔ اگر ان دونوں سپیڈز میں چند کلومیٹر فی گھنٹہ کا بھی فرق ہوتا تو زمین پر نہ کوئی درخت اُگ سکتا نہ کشش ثقل موجودہ تناسب میں ہوتی۔ انسانی اور نباتاتی زندگی کو ممکن بنانے کے لیے زمین کے گھومنے کی رفتار بالکل یہی ہونی چاہیے تھی جو ہے۔ کیا تم ان ''اتفاقات در اتفاقات'' پر حیران نہیں ہو؟

وہ بالکل خاموش تھی۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا' کیا تم جانتی ہو کہ اگر زمین کے جھکاؤ کا زاویہ آدھا ڈگری بھی کم یا زیادہ ہوتا تو زمین پر موسم نہ بدلتا یعنی زندگی نہ ہوتی۔ کیا تم اندازہ کر سکتی ہو کہ زندگی جسے تم ایک نعمت مان چکی ہو' کی تشکیل اور حفاظت کے لیے بقول تمہارے اس ''خودکار حادثے'' نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں؟

مَیں نے اُس کی آنکھوں میں نمی دیکھی تو کہا: یہ پانی جو تمہاری آنکھوں سے چھلکنے کو ہے‘ اس پر بھی بات کریں گے کہ ان آنسوؤں کے نظام کو اس حادثے نے زندگی کی کس مدد کے لیے تمہارے جسم میں تشکیل دیا‘ لیکن پہلے اپنے فون میں کیلکولیٹر نکالو تاکہ میں تمہیں دکھا سکوں کہ قرآن نے زمین پر پانی اور خشکی کا وہ تناسب کتنا اگزیکٹ بتایا ہے جو سائنس نے آج معلوم کیا۔ اُس نے ایک لفظ بولے بغیر فون میں کیلکولیٹر کی ایپ کھولی اور میری طرف دیکھنے لگی۔

مَیں اُس کے چہرے کے تاثرات سے جان سکتا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئی ہے‘ لیکن مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ میرا مقصد مسلمانوں کی تعداد میں ایک اور مسلمان کا اضافہ کبھی رہا ہی نہیں۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ نبوت میرے نبی محمد ﷺ پر ختم ہو چکی‘ وہ اللہ کا پیغام مکمل کر کے عمل میں ڈھال کر تو دکھا گئے‘ لیکن اپنی عصری اور انسانی مجبوریوں کے باعث دُنیا کے ہر خطے اور ہر دَور کے افراد تک خود چل کر وہ پیغام نہیں لے جا سکتے تھے۔ میرے محمد ﷺ کو یقین تھا کہ ہر دور وہ سابقون ضرور ڈھونڈ لے گا جو ان کے نمائندے بن کر ان کا پیغام آگے مزید آگے پہنچائیں گے۔

میں نے جتنے مرد و خواتین کو بھی اسلام میں داخل کیا یہی سوچ کر کیا کہ یہ لوگ نبی ﷺ کی وہ نمائندگی کریں گے جو پیدائشی مسلمان فرقوں کی لڑائی میں الجھ کر بھلا بیٹھے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلام میں نئے داخل ہونے والے حقّ الیقین‘ جوش و جذبے اور شکر کا مرکب بن کر اسلام میں داخل ہوں۔ یعنی اسے کلمہ پڑھانے سے پہلے مجھے مزید دلائل کے انبار لگانے ہوں گے۔ ایمان کنوِکشن کے ساتھ نہ ہو تو ابوبکرؓ‘ عمرؓ‘ عثمانؓ‘ علیؓ اور عائشہؓ اور فاطمہؓ جیسے مسلمان پیدا نہ ہوں گے۔ وہ نہ ہوئے تو ختمِ نبوت کی عملی دلیل کون بنے گا؟

وہ بولی: میں مانتی ہوں تم یہ نے یہ ثابت کر دیا کہ کائنات کا بننا حادثہ نہیں تھا‘ اسے واقعی کسی خدا نے ہی بنایا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ثابت کرو گے کہ قرآن تمہارے بیان کردہ اللہ نے ہی‘ بقول تمہارے‘ مکہ میں پیدا ہوئے ایک شخص پر نازل کیا تھا؟ مَیں نے کہا: بس یہی ثابت کرنے میں دیر لگتی ہے جو تم نے مان لیا۔ اس حقیقت کو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے میں ایک منٹ میں ایک معمولی مکھی سے ثابت کر دوں گا۔

وہ زور سے ہنس پڑی اور بولی: ہاں! پہلے دن تم مجھے بالکل پاگل لگے تھے‘ شکل سے بھی لگتے ہو‘ لیکن اب مجھے شک نہیں کہ تم ایسا کر سکتے ہو‘ لیکن میں سننا چاہتی ہوں۔ مَیں نے پوچھا: یہ

بتاؤ تمہاری سائنس نے کب ثابت کیا ہے کہ شہد بنانے کا سامان مادہ مکھی جمع کر کے لاتی ہے‘ نر مکھی نہیں؟ وہ اپنے فون پر گوگل سے یہ معلومات تلاش کرنے لگی اور تھوڑی دیر بعد اس سلسلے میں ایک تحقیق میرے سامنے رکھ دی جو اس کی تفصیل بتاتی تھی۔

مَیں نے فون اس سے لیے بغیر کہا: مجھے اس میں دلچسپی نہیں۔ تم بس یہ بتاؤ کہ جو بات سائنٹیفک ریسرچ نے اب جانی ہے قرآن نے وہ چودہ سو سال پہلے کیسے کہہ دی کہ اللہ نے شہد کی مادہ مکھی کو شہد بنانے کا طریقہ وحی کیا؟ اب میرے سوال کا جواب دو۔ چودہ صدیوں پہلے یہ حقیقت کون جان سکتا تھا کہ شہد نر نہیں مادہ مکھی بناتی ہے؟ وہ پی ایچ ڈی سٹوڈنٹ تھی‘ دلیل ہی ریسرچ سٹوڈنٹ کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے۔ بغیر ہچکچائے بولی..... گاڈ! پھر بولی: دکھاؤ مادہ مکھی کہاں لکھا ہے قرآن میں؟

میں نے اسے (سورۃ النحل کی آیت ۶۹ میں) ’’فَاسْلُکِی‘‘ کا لفظ دکھایا۔ وہ اس لفظ کی گوگل سے تشریح دیکھتی رہی۔ پھر بولی: ہاں‘ یہی مطلب ہے!

مغرب کا وقت تھا‘ مَیں نے کہا: چلو مسجد چلتے ہیں۔ وہ بولی: ہاں‘ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر۔ مَیں نے کال کر کے ان پروفیسر صاحب کو بھی مسجد آنے کے لیے کہہ دیا جنہوں نے مجھے اس لڑکی سے ملنے کا کہا تھا کہ تاکہ وہ بھی اس کے تجدیدِ ایمان کا منظر دیکھ سکیں۔

(تشکر: ماہنامہ البرہان لاہور‘ دسمبر ۲۰۱۹ء)

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 60 روپے اشاعت عام: 30 روپے

قیامت تک باقی رہنے والا فتنہ

مسز بینا حسین خالدی ☆

نمایاں معاشرتی برائیاں‘ بددیانتی‘ فحاشی‘ مادّیت پرستی اور بڑھتی ہوئی لادینیت ناسور کی صورت میں ہمارے معاشرے کے ظاہری جسم پر موجود ہیں۔ ہر بُرائی کے پس پشت کچھ نفسیاتی محرکات ضرور موجود ہوتے ہیں‘ لہٰذا برائی کے تدارک کے ساتھ ساتھ ان کے محرکات کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ یہ محرکات بادیٔ النظر میں دکھائی نہیں دیتے‘ یہاں تک کہ تزکیۂ نفس کے معاملے میں بھی ہم نفسانی بیماریوں کے لاشعوری محرکات کی طرف توجہ نہیں دے پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ تزکیہ اور تربیت کے ذریعے ہماری اخلاقی برائیاں اور بری عادات وقتی طور پر تو دب جاتی ہیں لیکن لاشعور میں ان کا محرک موجود رہتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے نفس کے تزکیے کے لیے اپنے شعور ولاشعور کی ’’خانہ تلاشی‘‘ اس طرح نہیں لیتے جیسے کسی چور کی تمام جیبیں جھاڑ کر مسروقہ مال برآمد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہمارے خارجی ماحول سے بھی باطن میں پلنے والے فتنوں کی طرف کم کم ہی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ہمارا معاشرہ اصلاحی معاشرہ نہیں ہے‘ تاہم جو لوگ دینی تحریکوں اور اصلاحی جماعتوں سے وابستہ ہوجاتے ہیں انہیں اپنے نفوس کی تربیت کا موقع ضرور ملتا ہے۔

قرآن حکیم انسان کے ظاہر و باطن‘ شعور ولاشعور اور انسانی نفسیات کی عمیق گہرائیوں کا مطالعہ پیش کرتا ہے‘ اسی لیے صاحبِ قرآن نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانی نفسیات میں موجود ایک منفی رجحان کی نشاندہی فرمائی اور پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ’’تمام فتنے وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہوجائیں گے‘ لیکن ایک فتنہ قیامت آنے تک باقی رہے گا اور وہ ’عصبیت‘ کا فتنہ ہے‘‘۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ’’تم قُربِ قیامت میں ترجیحی و امتیازی سلوک بہت زیادہ دیکھو گے اور تمہیں اس پر صبر کرنا ہوگا‘‘۔ تعصّب برتنے والوں کے بارے میں

☆ ایڈووکیٹ‘ صادق آباد

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے عصبیت کو ہوا دی وہ ہم میں سے نہیں‘ جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں‘ اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی حالت میں مرے۔‘‘

اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے خارج کروا دینے والا یہ فتنہ کسی نہ کسی شکل میں ہم میں موجود ہے۔ اگرچہ پاکستانی معاشرے میں ہندو سماج کی طرح تعصّب اور معاشرتی عدم مساوات نمایاں نہیں ہے لیکن موجود ضرور ہے۔ خود ہم بھی لاشعوری طور پر انہی لوگوں سے میل جول میں رغبت محسوس کرتے ہیں جو ہمارے ہم زبان ہوں اور ہمارے اور اُن کے درمیان ایک مشترک کلچر پایا جاتا ہو۔ میل جول کی یہ رغبت غیر محسوس طور پر ہمیں ان لوگوں سے بیگانہ کر دیتی ہے جو ہمارے اردگرد بستے ہیں‘ لیکن ہم نے اجنبیت کی وجہ سے کبھی ان کا حال احوال معلوم کرنے یا سلام دعا کرنے تک کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ہوسکتا ہے ہمارے اردگرد بسنے والوں میں کچھ لوگ‘ خواہ وہ کسی بھی برادری قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں‘ ایمان وتقویٰ کے لحاظ سے ہم سے بہتر ہوں اور پڑوسی کی حیثیت سے ہمارے حسنِ سلوک اور خبر گیری کے حق دار ہوں۔

دینِ اسلام تو غیر مسلموں سے بھی اخلاق و مروّت اور رواداری کا درس دیتا ہے‘ پھر ہماری معاشرتی زندگیوں میں اس بات کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے کہ ہم لین دین‘ غمی خوشی اور زندگی کے دیگر معاملات میں واسطہ رابطہ رکھیں تو صرف اپنے ہم زبان‘ قریبی عزیزوں اور رشتے داروں سے۔ نئی رشتہ داریاں اور تعلق بنانے میں ہم اپنے ہی قبیلے کو ترجیح دیں۔ بیٹے بیٹیوں کی شادی نکاح کے معاملے میں سختی کے ساتھ اس رواج پر کاربند رہیں کہ ارائیں کی بیٹی کا نکاح غیر ارائیں سے نہیں ہوسکتا۔ راجپوت فیملی میں کوئی دوسری برادری کی عورت بہو بن کر نہیں آسکتی۔ شیخ برادری کو اپنی برادری میں اگر بیٹی کے لیے مناسب رشتہ نہ ملے تو وہ بیٹی کو عمر بھر کنوارا رکھنا گوارا کرے۔ نکاح کے معاملے میں ان بندشوں نے نجانے کتنے ہی فتنوں کو جنم دیا ہے۔ بے حیائی‘ جنسی بے راہ روی‘ ہم جنس پرستی تو تعصّب کے فتنے سے جنم لینے والے فتنے ہیں ہی‘ اس کے ساتھ ساتھ خاندان میں جبری شادیاں اور بے جوڑ رشتے گھریلو زندگیوں میں عدم سکون اور طلاق کی شرح میں اضافے کا سبب بھی بنتے ہیں۔ کیا ایسے حالات میں ایک صالح اور صحت مند معاشرے کا قیام ممکن ہے؟ تعصّب نسل در نسل منتقل ہوتا ہے‘ پھر یہ صرف گھروں تک محدود نہیں رہتا۔ دفتروں‘ اداروں‘ ملکی سیاست‘ یہاں تک کہ عدالتوں کے ججوں کو بھی اپنی برادری کے لوگوں کے مقدمات میں اقرباء

پروری کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

ہمارے گھرانوں میں میکے اور سسرالی رشتے داروں میں بھی تفریق روا رکھی جاتی ہے۔ خواتین خانہ میں اکثر ساسیں دو یا تین بہوؤں میں سے اُس بہو کو زیادہ عزیز رکھتی ہیں' جو اُن کے میکے والے رشتہ داروں سے ہوتی ہے۔ پھر دوسرے قبیلے یا برادری سے لائی گئی بہو کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جاتا ہوگا اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح گھر سے آگے قومی اور علاقائی سطح پر جایئے تو سرائیکی بولنے والے سرائیکستان کا مطالبہ کرتے ہیں اور صوبہ سندھ کے لوگ ہمیشہ یہ سمجھتے ہیں کہ ملکی وسائل اور عہدوں ملازمتوں کا زیادہ تر حصہ پنجاب کو ملتا ہے۔ بلوچستان میں پنجابیوں کی ٹارگٹ کلنگ تعصب کی بدترین مثال ہے۔ اگرچہ اس میں بیرونی ہاتھ بھی ملوث ہیں لیکن غیروں کو موقع فراہم کرنے والے تو ہمارے اپنے ہی ہیں۔ سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے کے پیچھے بھی کہیں نہ کہیں تعصب ہی کارفرما تھا۔ عالمی سطح پر بھی دنیا بھر میں مسلمانوں کے ساتھ مذہب اور نسل کی بنیاد پر تشدد و بربریت اور خانہ جنگی بھی عصبیت کا شاخسانہ ہے۔

ماہرینِ نفسیات کے مطابق کسی انسانی گروہ یا اس کے ممبران کے متعلق ذہن میں بیٹھے ہوئے منفی فیصلے تعصب کہلاتے ہیں جو ہمیں اس گروہ کے بارے میں منفی رویہ رکھنے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ تعصب کی ایک اور تعریف کے مطابق کسی مخصوص گروہ کے ممبران کی جانب منفی' غیر منصفانہ اور نقصان دہ رویہ رکھنا تفریق کہلاتا ہے۔ اس میں فرد کی سیرت و کردار کو نظر انداز کر کے محض اس کے کسی گروہ سے متعلق ہونے کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہ تفریق دراصل ذہن میں موجود تعصب پر کارروائی کا رجحان ہے۔ تعصب کو بڑھاوا دینے میں مسابقت بازی یعنی دنیا کو ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی دھن اور حرص و ہوس بھی ایک محرک کا کام کرتی ہے۔

اسلامی تعلیمات میں تعصب و تفریق کے ایسے منفی رویوں کی روک تھام کے لیے ہمسایوں کے حقوق پر زور دیا گیا ہے۔ ہمارے آس پڑوس میں بسنے والے لوگ خواہ کسی بھی جماعت' فرقے' برادری یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں' کوئی سی بھی زبان بولتے ہوں' ہمارے حسنِ سلوک کے مستحق ہیں۔ حدیث مبارکہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جبریلؑ مجھے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ وہ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث بنا دیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابوذر! جب تم شوربا پکاؤ

تو پانی زیادہ کر دیا کرو اور اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کیا کرو (یعنی ان کے ہاں بھی تھوڑا سا سالن وغیرہ بھیج دیا کرو)۔''

دفتروں اور اداروں میں کام کرنے والے رفقائے کار بھی ہمسایوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق بھی وہی ہیں جو ہمسایوں کے حقوق ہیں یہاں تک کہ رفقائے سفر جو تھوڑی دیر کے لیے آپ کے ہمسائے بنتے ہیں ان کی خدمت کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ کا مفہوم ہے: ''جو شخص کسی قافلے کے ساتھ سفر کر رہا ہو اسے چاہیے کہ ان کی خدمت کرے' رفقائے سفر کی ضروریات کا خیال رکھے' انہیں ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کرے' زائد از ضرورت چیزیں رفقائے سفر کو دے۔ اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ اس نیکی سے بڑھ کر اگر کوئی نیکی ہوسکتی ہے تو یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے شہادت پائے۔''

حدیثِ مبارکہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں مسافر عام طور پر ایک دوسرے سے قطعی ناواقف' نامانوس اور اجنبی ہوتے ہیں' ان کے درمیان کوئی رشتہ و قرابت داری موجود نہیں ہوتی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے مابین کوئی قدرِ مشترک بھی موجود نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کی بولی بھی نہ سمجھتے ہوں۔ ایسی کیفیت میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کی بنیاد محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہو تو ایسا عمل خلوص کا مظہر بن جاتا ہے' اور جو عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جاتا ہے اللہ کے نزدیک وہ افضل ترین عمل ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے حسنِ سلوک کرنے والوں کے بارے میں نبیٔ رحمت حضرت محمد ﷺ نے بہت بڑی خوشخبری ان الفاظ میں فرمائی ہے:

> ''اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو نہ نبی' نہ شہید' نہ ہی پیغمبر ہوں گے' پھر بھی انبیاء و شہداء قیامت کے دن ان کے مرتبے پر رشک کریں گے جو انہیں اللہ کے یہاں ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ دار نہ تھے' نہ ہی آپس میں مالی لین دین کرتے تھے' بلکہ محض اللہ کے دین کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے اور حسنِ سلوک کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہوگا' انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اس وقت جب کہ لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے اور نہ کوئی غم ہوگا اس وقت جب لوگ غم میں مبتلا ہوں گے۔''

حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے تمام قسم کے جاہلانہ تعصّبات کے خاتمے پر زور دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے اس آخری خطاب کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا‘ حاکمیت و وحدانیت بیان کرنے کے بعد جو پہلی بات بیان فرمائی اس کے الفاظ تعصّب وتفریق کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

’’لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے کہ تم الگ الگ پہچانے جاسکو۔ تم میں سب سے یادہ عزّت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت و برتری حاصل ہے اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر‘ نہ گورا کالے سے افضل ہے اور نہ کالا گورے سے۔ ہاں فضیلت کا معیار تو صرف تقویٰ ہے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے تمام دعوے‘ خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے دفن اور پامال ہو چکے ہیں۔‘‘

نیز آگے فرمایا:

’’اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے لیے فخر ومباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔‘‘

ظہورِ اسلام سے قبل عرب کے دورِ جاہلیت میں وہ معاشرہ قبائل میں تقسیم تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر اپنی برتری اور فضیلت جتانے کے لیے باپ دادا کے کارناموں کو فخر سے بیان کرتا اور اسی فخر کی بنیاد پر نہ صرف زراعت وتجارت بلکہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے اور نیچا دکھانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ کبھی مال مویشیوں کو ایک چشمہ سے پانی پلانے پر جھگڑا تو کبھی گھوڑا آگے بڑھانے پر جھگڑا۔ یہ جھگڑے قبائلی دشمنیوں اور خونریزیوں کی صورت اختیار کر لیتے تھے اور نسل در نسل یہ عداوتیں چلتی رہتی تھیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر حملہ کرتا تو اس کے مال مویشیوں کے ساتھ ان کی عورتوں کو بھی ہانک کر لے جاتے اور لونڈیاں بنا کر فروخت کر دیا کرتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی سفاکانہ رسم کے پیچھے بھی یہی عوامل کارفرما تھے کہ دو قبیلوں کی عصبیت پر مبنی لڑائی میں عورتوں کی حفاظت کرنا پڑتی تھی‘ لہٰذا بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی قبر کی پناہ میں اتار دیا جاتا تھا۔ گویا عصبیت کی قباحت سے مزید

قباحتیں جنم لیتی تھیں اور اس کا سب سے زیادہ خمیازہ عورت کو بھگتنا پڑتا تھا۔

فضیلت و برتری اور قبائلی عصبیت کے جن رواجوں کو نبی رحمت ﷺ نے اپنے پیروں تلے روند کر دفن کر دیا تھا وہ گڑے مردے ہم آج بھی اکھاڑ کر زندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فرد کی حیثیت سے یہ رویے ہمیں زیب دیتے ہیں؟ جو لوگ دین سے دوری اور رسوم ورواج پر مبنی زندگی گزار رہے ہیں ان کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بربنائے جہالت ایسا کرتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے کہ جو دینی تنظیموں‘ جمعیتوں اور تحریکوں کا حصہ ہیں لیکن تعصب کے خاتمے کے لیے غیر برادریوں میں رشتے ناطے جوڑنے کے بجائے نہ صرف برادری ازم بلکہ مذہبی فرقہ واریت کے خول میں سختی سے بند ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات راقمہ کی نظروں سے گزرے ہیں جن میں دینی گھرانوں کی بیٹیوں کے لیے آئے ہوئے معقول رشتے محض اس لیے رد کر دیے گئے کہ ایک تو وہ غیر برادری سے تھے‘ دوسرے وہ اس جمعیت سے وابستہ نہ تھے جس سے بیٹیوں کا باپ تعلق رکھتا تھا۔ ایسے اور اس طرح کے بہت سے تعصّبات ’’دینی‘‘ و ’’روشن خیال‘‘ تمام ہی قسم کے گھرانوں میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ آج بیٹیوں کو زندہ درگور تو نہیں کیا جاتا لیکن رسوم ورواج اور تعصّبات کی بھینٹ ضرور چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں نکاح مشکل اور سفاح (زنا) آسان بنا دیا گیا ہے۔ پھر بھی ہم اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں؟ ❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 30 روپے

امریکہ کا مکروہ چہرہ

''مسلمان دہشت گرد نہیں، ہم امریکی دہشت گرد ہیں!''

ایک امریکی فوجی کا اعترافِ جرم

محمد ندیم اعوان ☆

عالمی سطح پر دہشت گردی، دغابازی اور ہوس کی انتہا کا دوسرا نام امریکہ ہے۔ ظلم وستم کی انتہا کرنے والا یہ وحشی جانور اور سفّاک درندہ، انسان نما لباس اوڑھے مسلسل اپنے آپ کو مہذب ترین انسان باور کرانے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہے اور انسانیت کے تحفظ کا ایجنڈا لے کر دنیا کو سر پر اُٹھا رکھا ہے، جبکہ ایک ایک کر کے پہلے تمام اسلامی ممالک میں داخلی انتشار وفسادات کو جنم دینے کے بعد اُنہیں تاخت وتاراج کرنے کی خواہش نے اس کی آنکھوں کی بصارت کے ساتھ ساتھ ذہنی بصیرت کو بھی ختم کر دیا ہے۔ اپنے ہتھیاروں کی نمائش، تشہیر اور سالہا سال دوسرے ممالک سے زیادہ سے زیادہ ریونیو بزورِ بازو بٹورنے کی دوڑ میں سب سے آگے نکل جانے کے لیے اور نیو ورلڈ آرڈر کے تحت تمام اسلامی دنیا پر جنگ مسلّط کیے ہوئے ہے۔ ''جوہری ہتھیار دہشت گردوں کے ہاتھ لگنے کا خطرہ ہے'' کے جواز کا ڈھونگ رچا کر انسانی حقوق کے تحفّظ کا علم ہاتھ میں لیے ہوئے ملکوں اور ریاستوں پر چڑھ دوڑتا ہے، جس کے نتیجے میں انسانی حقوق کی پامالی کے بیسیوں ریکارڈ قائم کر چکا ہے۔

میرے نقطہ نظر سے اُن جدید دانشوروں کا اختلاف قطعی اور یقینی ہے جو اِس شیطنت اور حیوانیت کو ترقی کا معیار گردانتے ہیں۔ اس قسم کے دانشوروں کے لیے امپورٹڈ نیوز (درآمد شدہ خبریں) قرآن وحدیث کا درجہ رکھتی ہیں اور اِسے ماخذ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ 'جوشوا کی' ایسا ہی ایک اِمپورٹ شدہ کردار ہے جو بدمست ہاتھی کے پاگل پن، ذاتی اَنا

☆ nts143043@gmail.com

اور مذموم مقاصد کی نا صرف نشاندہی بلکہ ترجمانی کرتا ہے۔

جوشوا کی ۱۹۷۸ء میں امریکہ کی ایک ریاست 'اوکلوہاما' جو دس ہزار افراد پر مشتمل ہے، کے ایک قصبہ گتھری میں پیدا ہوا۔ محبِّ وطن اور ذمہ دار شہری کے طور پر پروان چڑھتا گیا اور اسے بچپن ہی سے حکومت کا احترام اور اپنے صدر پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کرنا سکھایا گیا۔ بچپن سے اسلحہ کا شوقین اور بندوق چلانے کا عادی تھا۔ وقت معمول کے مطابق گزرتا گیا، لیکن دھیرے دھیرے مفلسی اور لاچاری نے آگھیرا اور ایسا گھیرا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک شادی شدہ دو بچوں کے باپ کو فقط ایک ہزار دوسو (۱۲۰۰) ڈالر کے عوض پرائیویٹ (نان کمیشنڈ میں سب سے نچلا عہدہ) کے طور پر آرمی جوائن کرنے پر مجبور کر دیا۔ جوشوا کی نے فوج میں بھرتی ہونے کا آغاز اس نظریے سے کیا تھا کہ فوج میں رہ کر امریکی براعظم میں ہی کسی نہ کسی جگہ پل سازی کا کام کروں گا، لیکن امریکن ملٹری نے جوشوا کی اور دوسرے سیاہ فام، لاطینی امریکیوں کو دھوکہ دے کر امریکن ملٹری کمبیٹ سیکشن کا حصہ بنا کر ٹریننگ کے لیے بھیج دیا، جوان کا ایک نفرت انگیز اقدام تھا۔

ٹریننگ کے دوران دو چیزیں خصوصی طور پر پڑھائی گئیں، ایک امریکن آرمی کا موٹو ''پہلے آرمی، پھر خدا اور پھر آپ کی فیملی!'' اور دوسری چیز یہ کہ ''اس کرۂ ارض پر صرف اور صرف امریکی ہی ایک مہذّب قوم ہیں، اور صرف امریکن آرمی ہی دنیا میں ڈسپلن قائم کرنے کی اہل ہے، اور جو لوگ امریکی نہیں وہ سب دہشت گرد ہیں۔ نیز یہ کہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو جن لوگوں نے ہمارے ملک پر حملہ کیا تھا وہ سب کے سب مسلمان تھے اور سارے مسلمان اور دہشت گرد موت کے سزاوار ہیں'' —— ٹریننگ کے دوران غیر امریکیوں کو مخاطب کرنے کے لیے لعین، صحرائی اور حبشی جیسے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے رہے۔ آخر کار گیارہ ماہ گزرنے کے بعد ٹریننگ ختم ہوئی اور پوسٹنگ ابھی باقی تھی، کہ اچانک ۲۰ مارچ ۲۰۰۳ء کو ۳۶ ملکوں کو ہمنوا بنا کر قریباً چار لاکھ افواج کے ساتھ صدر جارج ڈبلیو بش نے عراق پر چڑھائی کا اعلان کر دیا۔ ابھی جنگ کے صرف تین ہفتے ہی گزرے تھے کہ جوشوا کی کو انتظامیہ سے بحث وتمحیص اور جھگڑے تک کی نوبت آنے کے بعد عراق کی جنگ میں دھکیل دیا گیا، کیونکہ وہ کسی صورت اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگ پر جانے کے لیے راضی نہیں تھا اور نہ ہی جنگ کرنے کے لیے

وہ آرمی میں بھرتی ہونا چاہتا تھا۔ عراق کی جنگ میں جوشوا کی نے رمادی' فلوجہ' حبانیہ اور القائم میں تقریباً ساڑھے چھ مہینے گزارے۔

اس طویل مگر مختصر عرصے میں جوشوا کی پر امریکہ کی درندگی' سفاکی' بربریت اور پاگل پن عیاں ہو گیا اور ایک محب وطن شہری کے دل میں اب اپنے وطن اور صدر مملکت کے لیے انتہائی حد تک نفرت کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ نومبر ۲۰۰۳ء کو ڈیوٹی سے مختصر چھٹی ملتے ہی جوشوا کی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کینیڈا بھاگ گیا' کیونکہ اُسے اپنے ملک کے سرکاری وکیل کی طرف سے یہ بتایا جا چکا تھا کہ فوج سے بھگوڑا ہونے کے بعد یا تو واپس فوج میں بھیج دیا جاتا ہے یا ساری عمر جیل میں گزارنی پڑتی ہے' اور اگر جنگ کے دوران کوئی فوج سے بھگوڑا ہو جائے تو اُسے فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولی مار دی جاتی ہے۔ کینیڈا پہنچتے ہی جوشوا کی نے امیگریشن اینڈ ریفیوجی بورڈ کے پاس ریفیوجی سٹیٹس کی درخواست جمع کروائی' جو ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو مسترد کر دی گئی۔ بعد ازاں ۴ جولائی ۲۰۰۸ء کو کیس پر نظر ثانی کر کے ریفیوجی سٹیٹس (status) دے دیا گیا اور آج وہ کینیڈا میں اپنی بیوی' تین بیٹوں اور ایک بیٹی (ذاکری' آدم' فلپ' انّا) کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔

جوشوا کی کا کہنا ہے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ ہمارا دشمن کہاں ہے۔ ہمیں اصل دشمن کی کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے' کون ہے' اس کا تجربہ کیا ہے اور اس کی جنگی مہارت کیا ہے۔ ہم تو عراق میں سب لڑنے والوں کو محض ڈھور ڈنگر سمجھتے تھے اور خیال کیا کرتے تھے کہ وہ انسان نہیں بلکہ کوئی پست تر حیوان ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم عراق میں جس جگہ بھی گئے عراقی پروفیشنل سوجھ بوجھ میں امریکن ملٹری سے کئی ہاتھ آگے نکلے۔ جب ہمیں دہشت گردی کی علامات کا کہیں سامنا نہ ہوا تو ہمارا یقین اس جنگ کے مقصد (cause) پر سے اُٹھنے لگا۔ کسی باقاعدہ حربی معرکے میں چونکہ ہمارا کوئی حقیقی دشمن ہی نہیں تھا اس لیے ہم اپنا غصہ اور جھنجھلاہٹ چھاپے مار مار کر پورا کر لیا کرتے تھے۔ اوّل اوّل ان چھاپوں نے ہمیں مواقع فراہم کیے رکھے کہ ہم لوگوں کو زدوکوب کریں' ان کی قیمتی اشیاء چرا لیں اور ان کی ملکیت میں موجود ایسی چیزوں کو برباد کر دیں جو ہمارے استعمال کی نہیں۔

عراق میں عرصہ قیام کے دوران میں نے تقریباً دو سو سے زائد چھاپے مارے' لیکن

مجھے اِن چھاپوں کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آئی۔ جب بھی ہم کسی گھر کے دروازے کو اُڑانے کے لیے بارود لگاتے اور اندرونِ خانہ ہر شے کو تہ و بالا کر دیتے تو اس مار دھاڑ کا کوئی بھی جواز مجھے مطمئن نہ کر سکتا۔ میں نے قیامِ عراق کے دوران امریکی سولجرز کا عراقی بچوں' بوڑھوں اور خصوصاً عورتوں کو بلا جھجک ایسے مارتے پیٹتے دیکھا جو معمول کی کسی بھی لڑائی میں کوئی بھی سولجر روا نہیں رکھتا اور نہ کوئی مذہب حتیٰ کہ انسانیت اس کی اجازت دیتی ہے۔

اس جنگ میں امریکی اور عراقی افسروں اور جوانوں نے جو قربانیاں دیں اس کا جواز صرف اسی صورت میں نکل سکتا ہے جب ہمیں کسی ہمہ گیر تباہی والے ہتھیاروں کا سراغ مل جاتا' ہم ان کے پھیلاؤ کو روک دیتے اور بنی نوع انسان کو کسی عظیم غارت گری سے محفوظ بنا دیتے ـــــ لیکن مجھے اس جنگ میں نہ تو خلافِ قانون منشیات کا کوئی نام و نشان ملا اور نہ کسی ہمہ گیر تباہی کے ہتھیار (Weapon of Mass Destruction) دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ کوئی اور مثبت پہلو اس جنگ کا نظر آیا۔ تب جا کے مجھے احساس ہوا کہ ''مسلمان دہشت گرد نہیں' بلکہ ہم امریکی دہشت گرد ہیں جنہوں نے ساری دنیا میں دہشت گردی پھیلا رکھی ہے۔''

جوشوا کی کا مزید کہنا ہے کہ ہم چونکہ امریکی تھے اس لیے ہمیں یہ بتا دیا گیا تھا کہ ہم جس گھر میں چاہے گھس سکتے ہیں' چھاپے مار سکتے ہیں اور جہاں چاہیں دشمن کی کاروائی سے چھپ بھی سکتے ہیں۔ ہم پر روک ٹوک کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔

اس بات میں بھی کوئی صداقت نہیں تھی کہ صدام حسین کے قبضے میں ہمہ گیر تباہی والے ہتھیار موجود تھے اور یہ بات بھی بالکل جھوٹ اور لغو تھی کہ عراق کا ہر مرد' عورت اور بچہ ایک ایسا بدکردار دہشت گرد ہے جسے امریکی نفرت' امریکی بمباری اور امریکی قبضے کی ضرورت ہے۔

میں نے کینیڈا جا کر اپنی داستان بیان کرنے کے لیے مساجد کو ترجیح دی۔ پہلی بار تو مجھے اندیشہ تھا کہ مسلمان مجھ سے نفرت کریں گے اور الزام لگائیں گے' لیکن میں نے جس مسجد میں بھی جا کر کوئی تقریر کی نہ صرف میرا بلکہ میری ساری فیملی کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔

جوشوا کی سے دوبارہ امریکہ جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو اُس نے کہا: میں دوبارہ امریکہ نہیں جانا چاہوں گا' کیونکہ میں اپنے وطن کے لیے گم ہو چکا ہوں اور امریکہ میرے لیے گم ہو گیا ہے۔ جوشوا کی عراق جنگ میں دوبارہ شرکت کے حوالے سے اپنا موقف بیان کرتے

ہوئے کہتا ہے کہ میں ایسی جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا جو غیر منصفانہ ہو اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ ایسی جیل میں گلتا سڑتا رہوں جو اپنے ہی وطن کے اندر ہو۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میرا جرم یہ بتایا جائے کہ میں نے عراق کی اس قابلِ نفرت جنگ میں شرکت سے انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ میرے لیے بھگوڑا ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ ہاں! میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانے کو تیار ہوں بشرطیکہ وہاں صدر امریکہ بھی میرے ساتھ ہوں' کیونکہ وہ بھی ہماری طرح کے عام آدمی ہیں اور میری طرح سزا کے حقدار ہیں۔

اقرارِ جرم کا اعتراف کرتے ہوئے جوشوا کی کہتا ہے کہ میں نے عراق میں جو کچھ کیا اس پر شرمندہ ہوں اور وہ تمام بے قصور سویلین شہری جو ہمارے ہاتھوں ہلاک ہوئے' زخمی ہوئے یا کسی بھی طرح کا ظلم وستم ان پر ہوا تھا' اس پر بھی نادم ہوں۔ یہ خیال کہ میں اپنے سینئرز کا حکم بجالا رہا تھا اور مجبور تھا' نہ تو میرے کرب میں کوئی کمی کرتا ہے اور نہ ہی میرے ڈراؤنے خوابوں کو ختم کرتا ہے۔

اگر مجھے صدر امریکہ کے ساتھ روبرو بات کرنے کا موقع ملے تو میں ان کو بتاؤں گا کہ وہ اپنے ملک کے آئین وقوانین پر نظر ثانی کریں۔ ان کو یہ بتانے کی بھی اشد ضرورت ہے کہ جب میں نے عراق جنگ میں حصہ لیا تھا تو یہ دیکھا تھا کہ آرمی کے افسروں اور جوانوں نے ان اقدار کو پارہ پارہ کر دیا تھا جن کا پرچم بلند رکھنے کا دعویٰ ہم آئے روز کرتے رہتے ہیں۔ اگر امریکہ کے صدر یہ جاننا چاہیں کہ میں کن اقدار کی بات کر رہا ہوں تو میں ان سے کہوں گا کہ وہ ۱۷۷۶ء کے امریکی اعلانِ آزادی کے اوّلین الفاظ ہی کو یاد کر لیں جو یہ تھے:

''ہم یہ ساری سچائیاں سربلند رکھنا چاہتے ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ تمام انسانوں کو یکساں پیدا کیا گیا' اس لیے بنی نوعِ انسان برابر ہیں۔ ان انسانوں کو اپنے خالق کی طرف سے یہ عطیہ ارزانی ہوا ہے کہ ان کے بعض حقوق ایسے ہیں جن سے لطف اندوز ہونے کے یکساں مواقع اس خالق کی عطا ہیں۔ مثلاً زندگی' آزادی' مسرتوں اور خوشیوں کی تلاش۔''

میں امریکہ کے لیے اس جنگ کے میدان میں کبھی نہ کودتا اگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں اس کی فوج کے کرتوت اُن اقدار کے خلاف ہوں گے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میں امریکن آرمی سے بھگوڑا ہونے کی معافی کبھی نہیں مانگوں گا۔ میں ظلم اور جبر واکراہ سے بھاگا تھا

اور فوج کو خیر باد کہنا میرے نزدیک عین انصاف تھا۔

یہ داستان فقط عراق جنگ کی آئینہ دار نہیں بلکہ اُن تمام جنگوں کی ترجمانی کرتی ہے جو تمام اسلامی دنیا میں شروع کی جا چکی ہیں۔ امریکن سولجرز میں ہر جگہ ایسے ہزاروں لاکھوں جوشوا کی موجود ہوں گے جو فوج سے بھگوڑا ہو کر امریکہ سے بھاگ جانا چاہتے ہیں۔ عالمگیر امن اور انصاف کے بلند بانگ دعویداروں کی حالتِ زار قابلِ دید بھی ہے اور قابلِ اصلاح بھی۔ اس جیسی کئی ہزاروں دیگر داستانیں ہیں جو امریکہ کے چہرے سے انسانیت کا نقاب ہٹانے اور ہمارے ہاں اُن جدید دانشوروں کی عقل ٹھکانے لگانے کے لیے کافی ہیں جو آئے روز اسلام' مسلمان اور انسانیت کے دشمنوں کے گیت گاتے سنائی دیتے ہیں۔ جوشوا کی کے جوتوں میں بیس قدم چلنے سے کسی بھی دانشور پر امریکہ کا مکروہ چہرہ آشکارا ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

❁❁❁

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر انگیز تالیفات

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب
کے مراحل ومدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب
کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 180 روپے

حصولِ ہدایت از کتابِ ہدایت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو محمد ﷺ کے ذریعے بنی نوعِ انسان کی طرف بھیجا گیا۔ یہ اپنی خالص حالت میں موجود ہے۔ یہ کتابی صورت میں ہر کسی کو میسر ہے۔ غیر مسلم تو اس کی فضیلت کے قائل نہیں‘ مگر مسلمان اس کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مانتے ہیں۔ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔ اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزاری جائے تو نہ صرف یہ زندگی بلکہ مرنے کے بعد والی ابدی اور ناختم ہونے والی زندگی انعامات سے بھرپور ملے گی‘ بصورت دیگر جہنم ہوگی جس کے عذاب کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

غیر مسلم قرآن مجید کو مسلمانوں کی مذہبی کتاب مانتے ہیں۔ اکثر غیر مسلم قرآن مجید کی تعلیمات کو عقل سلیم اور حقیقت پر مبنی تو مانتے ہیں‘ لیکن اس پر ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوتے‘ کیونکہ انہیں اپنے آباء واَجداد کا طریقہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ مسلمان قرآن مجید کا انتہائی احترام کرتے ہیں‘ اس کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مانتے ہیں‘ اس کو معزز اور مقدس جانتے ہیں‘ طہارت اور وضو کے بغیر اسے چھوتے نہیں‘ اس کی طرف پاؤں پھیلا کر لیٹنے کا تو سوال ہی نہیں‘ اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھتے بھی نہیں‘ اس پر کپڑے کا جزدان چڑھا کر گھر میں اونچی جگہ رکھتے ہیں تاکہ اس کا ادب ملحوظ رہے۔ قرآن مجید سے عقیدت کا یہ حال ہے کہ لاکھوں بچوں اور بڑوں کو یہ زبانی یاد ہے۔ حالانکہ اتنی ضخیم کتاب کے حفظ کرنے کا ارادہ ہی مشکل ہے اور کئی سالوں کی محنت کر کے اسے یاد کرنا تو بہت بڑا کام ہے۔

مسلمان قرآن مجید کو اپنی مقدس کتاب جانتے ہیں اور اس کے ادب واحترام میں معمولی سی کوتاہی کو بھی برا جانتے ہیں۔ اس کی ناظرہ تلاوت کو نیکیاں کمانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں میں اس کی روزانہ تلاوت کا ذوق ختم ہوتا جارہا ہے‘ لیکن پھر بھی بعض لوگ ایک یا

آدھا سیپارہ روزانہ تلاوت کرتے ہیں‘ اور نہایت قلیل تعداد میں ایسے عقیدت مند بھی موجود ہیں جو ایک مہینے میں کئی دفعہ قرآن ختم کر لیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے الٓمٓ کے تین حرف ہیں اور ہر حرف کے پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں‘ یوں الٓمٓ پڑھنے والا تیس نیکیاں کما لیتا ہے۔ چونکہ الٓمٓ قرآن کے حروف ہیں اور ان کا کوئی معنی اور مفہوم ہمیں معلوم نہیں‘ لہٰذا اس سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھے بغیر پڑھنا بھی درست ہے اور نیکیاں کمانے کا ذریعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب صرف مسلمانوں کے لیے نہیں‘ بلکہ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ضابطۂ حیات یعنی پسندیدہ زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتی ہے۔ یہ هُدًى لِّلْمُسْلِمِيْنَ نہیں بلکہ هُدًى لِّلنَّاسِ ہے۔ ظاہر ہے الناس میں تو آدم علیہ السلام کی ساری اولاد شامل ہے۔ ہاں مسلمانوں کو یہ مفاد حاصل ہے کہ مسلمان کا ہر بچہ ہوش سنبھالتے ہی قرآن مجید کو اللہ کا کلام جان لیتا ہے۔ وہ یہ بھی مانتا ہے کہ اس میں اللہ کے احکام ہیں‘ جن کے مطابق عملی زندگی گزارنا ہی اس کا مقصدِ نزول ہے کہ جن جن کاموں کے کرنے کا اس میں حکم دیا گیا ہے ان کو اختیار کیا جائے اور جن جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے رُکا جائے۔ اسی لیے قرآن مجید میں بارہا اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے اور پھر اس کے اوامر ونواہی کے مطابق زندگی گزاری جائے اور یہی قرآن کے نزول کا مقصد ہے۔

یہودیت اور نصرانیت اِلہامی مذاہب ہیں مگر ان کی تعلیمات میں تحریف ہو چکی ہے۔ تاہم ان کا آخرت پر یقین ہے‘ لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا استحقاق ہے کہ جہنم کی آگ ہمیں نہیں چھوئے گی‘ کیونکہ ہم اپنے پیغمبروں کی اُمت اور ان کی نسل میں سے ہیں۔ اگر ضروری ہوا تو ہمیں صرف چند دن آگ میں ڈالا جائے گا۔ اب یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے امتی ہونے کو نجات کے لیے کافی سمجھے بیٹھے ہیں‘ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا واضح پیغام ہے جو انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیا تھا کہ مجھ سے جو لینا ہے دنیا میں لے لو‘ قیامت میں میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ آپ ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹی کو بھی یہی بات کہی۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے جو قرآن کو سمجھ کر پڑھنے سے معلوم ہوگی۔ قرآن مجید میں دُہرا دُہرا کر کہا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الانعام:١٦٤‘ الاسراء:١٥‘ فاطر:١٨‘ الزمر:٧‘ النجم:٣٨) گویا کسی بڑے

سے بڑے پر اپنی بدعملی چھڑا لینے کا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

جو شخص قرآن سمجھ کر پڑھے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے گا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا' یا سود کھانے والا ایسا ہے جیسے اللہ ربّ العزت اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والا' جھوٹ بولنے والے پر اللہ کی لعنت ہے' رشوت کی کمائی حرام ہے' غیبت کرنا اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ہے' مال کی زکوٰۃ دینا پنجگانہ فرائض میں سے ہے' نماز کا حکم ہے کہ نماز پڑھو ورنہ مشرک ہو جاؤ گے اور دوزخ میں جانا پڑے گا۔

قرآن مجید میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں سمجھے بغیر قرآن پڑھنے کا کہا گیا ہو۔ قرآن مجید کا مقصد ثواب اکٹھا کرنا نہیں بلکہ ہدایت حاصل کرنا ہے۔ ترجمے اور تشریح کے بغیر پڑھنے والا ہدایت کیسے پائے گا؟ اسی لیے قرآن مجید سمجھ کر نہ پڑھنے والوں کو ان الفاظ کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے: ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾﴾ (محمد)

''لوگ کیوں قرآن پر غور نہیں کرتے' کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں''۔ قرآن کو سمجھ کر نہ پڑھنے اور ہدایت حاصل نہ کرنے والوں کی شکایت رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور ان الفاظ میں کریں گے:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾﴾ (الفرقان)

''اور رسول (ﷺ) کہیں گے کہ اے میرے رب! میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''

جو مسلمان آخرت کے حساب پر یقین رکھتے ہوئے قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھے گا تو وہ کسی قسم کی نافرمانی کی جرأت نہ کرے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جگہ جگہ قرآن کی تفہیم کا بندوبست کیا جائے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فرامین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور قرآن مجید کو محض ثواب اکٹھا کرنے کی کتاب نہ سمجھ بیٹھیں بلکہ اسے ضابطہ حیات سمجھیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) ''رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے''۔ آپؐ کا اُسوۂ حسنہ تو اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہے۔ یہ بات قرآن سمجھ کر پڑھنے سے ہی معلوم ہوگی۔ قرآن میں ہی یہ ارشاد ہے کہ: ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ﴿۸﴾﴾ (الزلزال) ''تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا''۔ پھر انہی نیکیوں اور برائیوں کی بنیاد پر جنت یا دوزخ ملے گی۔ سورۃ القارعۃ میں ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِیَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَةٌ ﴿۱۱﴾﴾

''تو جس کے وزن بھاری نکلیں گے' وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔ اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے' اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ اور تم کیا جانو کہ ہاویہ کیا چیز ہے' وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے والے کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے عدل کرنے کا حکم دیا ہے' خواہ فیصلہ ماں باپ یا بھائی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کے اندر جس قدر برائیاں اور جرائم عام ہیں اس کی وجہ قرآن کو سمجھ کر نہ پڑھنا' یوم الدین پر سچا یقین نہ ہونا اور محض اپنے مسلمان ہونے کو اُخروی نجات کے لیے کافی سمجھنا ہے' حالانکہ یہ تینوں یقین قرآنی تعلیم کے خلاف ہیں۔ قرآن مجید میں بیسیوں دفعہ حکم ہے کہ ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو۔ نیک عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نیکی کے کاموں کا علم ہو اور نیکی کے کاموں کا علم تو اسی کو ہوگا جو قرآن کو سمجھ کر پڑھے گا' اس کے اندر نیک کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوگا اور وہ ان کاموں سے بچنے کا ارادہ کرے گا جن سے منع کیا گیا ہے' تاکہ اگلی زندگی میں وہ کامیاب ٹھہرے اور سزا اور عذاب سے بچا رہے۔

قرآن مجید کے چند مقامات ملاحظہ ہوں جہاں ایمان لا کر نیک عمل کرنے اور بُرے کاموں سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾﴾ (المؤمن)

''اور جو کوئی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت' ہو وہ ایمان والا تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور انہیں وہاں بے حساب رزق ملے گا۔''

(۲) ﴿وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ (الطلاق)

''اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں یہ (اہل جنت) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے اسے بہترین رزق عطا فرما دیا ہے۔''

(۳) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾﴾ (العنکبوت)

''اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ہم ان کو لازماً صالحین میں داخل کریں گے۔''

(۴) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ (البقرة)

''اور جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے، اور ہمیشہ اس میں (عیش کرتے) رہیں گے۔''

(۵) ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ (النساء:۱۲۴)

''اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔''

(۶) ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾﴾ (المائدة)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔''

(۷) ﴿وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾﴾ (ابراهيم)

''اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی، وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش اپنے رب کے حکم سے۔ وہاں ان کی ملاقات کی دعا (ایک دوسرے پر) سلام ہوگی۔''

(۸) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾﴾ (الكهف)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے۔''

(۹) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ﴾ (الحج:۱۴)

''یقیناً اللہ داخل کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، ان باغوں میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔''

(۱۰) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾﴾ (العنکبوت)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہم ان کے گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔''

(۱۱) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ﴾ (الشوریٰ:۲۲)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے، اور جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے پروردگار کے ہاں (موجود) ہوگا۔''

یہ چند آیات ہیں جن میں نیک کام کرنے والوں کے لیے جنت کی خوشخبری اور بُرے کام کرنے والوں کے انجامِ بد کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں جن میں گناہ کے کاموں اور جرائم سے روکا گیا ہے۔

(۱) ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾﴾ (المائدة)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔''

(۲) ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾﴾ (المائدة)

''جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے فعلوں کی سزا اور اللہ کی

طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست (اور) صاحبِ حکمت ہے۔''

(۳) ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲﴾ (النور)

''بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو اور اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو۔''

(۴) ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۴﴾ (النور)

''اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی (۸۰) دُرّے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔''

(۵) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۱۳۰ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۱۳۱﴾ (ال عمران)

''اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ نجات حاصل کرو۔ اور (دوزخ) کی آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

(۶) ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۱۸۸﴾ (البقرة)

''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوت کے ذریعے) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور اسے تم جانتے بھی ہو۔''

(۷) ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۹۳﴾ (النساء)

''اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

(۸) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۱۹﴾ (النور)

''جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مؤمنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

کافروں اور مشرکوں کے کاموں سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ وہ عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الروم میں ہے: ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۳۱﴾ ''اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں سے نہ ہونا''۔ گویا نماز پابندی سے نہ ادا کرنا مشرکانہ فعل ہے۔ کسی کی پیروی کرنا ہو تو دیکھا جائے کہ اس کے اعمال اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ہیں؟ مذہبی یا سیاسی راہنماؤں کا صرف جائز حکم مانا جائے، ورنہ اندھی تقلید کرنے والے روزِ قیامت اپنے پیشواؤں سے ناامید ہو جائیں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مانتے۔

(۹) ﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۶۶ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۶۷ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۶۸﴾ (الاحزاب)

''جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے (حسرت وافسوس سے) کہیں گے: اے کاش! ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور رسول کا حکم مانتے۔ اور کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہِ راست سے بھٹکا دیا۔ پروردگار! تو ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔''

مگر اس وقت کا پچھتانا، چیخ و پکار کرنا اور عذاب سے نکالے جانے کی تمنا کرنا بے فائدہ ہو گا۔ آج اس زندگی میں موقع ہے کہ لوگ اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام لے کر وہی کام کریں جو قرآن وسنت اور عمل صحابہ کے مطابق ہو۔ نادانوں کے پیچھے لگ کر کچھ مسلمان بھی مشرکانہ کام کرنے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کلمہ گو مسلمان ہیں اور حبیب خدا حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے ہیں، ہمیں کچھ ڈر نہیں، حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۱۰۶﴾ (یوسف) ''اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔'' یہ مسلمان نماز کی ہر رکعت میں ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ''

پڑھتے ہیں۔ عبادت تو اللہ کی کرتے ہیں مگر اپنے قول کے برعکس استعانت ماسوا اللہ سے کرتے ہیں۔ پختہ قبریں اور خوبصورت مزار اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں‘ پھر ان ہی فوت شدگان کو حاجت روا سمجھ لیتے ہیں‘ حالانکہ حضور ﷺ کے فرامین اور آپؐ کا عمل قبریں پختہ بنانے سے روکتا ہے۔ عقل سلیم تو یہ تسلیم کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں نجات ہے اور مخالفت میں نقصان اور خسران۔ یہ دنیا دارالعمل ہے‘ یہاں سے دارالجزاء میں پہنچ جانے کے بعد عمل کا موقع یکسر ختم ہو جائے گا۔ وہاں بندہ نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ ورد و وظائف کر سکتا ہے‘ نہ ہی کوئی اور نیک کام کر سکتا ہے‘ کیونکہ وہ عمل کرنے کی جگہ نہیں ہے‘ بلکہ وہ تو دنیا میں کیے گئے اعمال کے حساب کا وقت ہوگا۔ زندگی کی مہلت انتہائی قیمتی ہے‘ اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا ہی عقل مندی ہے۔

سورۃ الحجرات میں کتنے ہی برے کاموں سے روکا گیا ہے‘ مثلاً ایک دوسرے کا تمسخر واستہزاء‘ عیب جوئی‘ بُرے ناموں سے پکارنا‘ بدگمانی‘ تجسّس اور غیبت۔ برے کام تو قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے والوں کو ہی معلوم ہوں گے۔ بغیر سمجھے پڑھنے والا تو قرآن کے بتائے ہوئے نیک و بد کام جاننے سے محروم رہے گا۔ ٹھیک ہے نیک کام اور بُرے کام علماء کے بتانے سے بھی معلوم ہوتے ہیں‘ مگر خود اپنی آنکھوں سے اللہ کے احکام ماننے کا اپنا ہی اثر ہے ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ! ’’سنا ہوا دیکھے ہوئے کی طرح کس طرح ہو سکتا ہے!‘‘

حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا ہے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

یعنی اے مخاطب! اگر تو مسلمان ہو کر زندہ رہنا چاہتا ہے تو قرآنی ہدایات پر عمل کیے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں —— اللہ ربّ العزت ہم سب کو قرآن مجید کی روزانہ تلاوت کرنے‘ اس کو سمجھنے اور پھر اس کے احکام کے مطابق عمل کرنے اور اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

سیاسی سطح پر ہم جمہوریت کے کمبل میں لپیٹے جا چکے ہیں‘ جس کی وجہ سے ہمارا دم گھٹ رہا ہے اور معاشی سطح پر سود کے لین دین سے ہمیں دنیا میں ہی شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہے۔ البتہ معاشرتی سطح پر ہم میں ابھی کچھ دم خم نظر آتا ہے۔ ابھی نہ مَردوں کی اکثریت کی عقل پر اتنا دبیز پردہ پڑا ہے کہ غیرت وحمیت کا نام ونشان ہی مٹ جائے اور نہ ہی عورتوں کی اکثریت خود کو مکمل طور پر بے حیائی کے سیلاب کے حوالے کر چکی ہے۔ صحیح صورتِ حال کی نقشہ کشی کرنا ہو تو یہ کہنا مناسب اور درست ہوگا کہ مَردوں کی غیرت و حمیت بُری طرح زخمی ہے اور خطرہ ہے کہ اگر زخم کو مندمل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو بیچاری غیرت وحمیت جانبر نہ ہو سکے گی۔ اِس طرح عورتوں کی بے پردگی نے حیا کو ایسے کچے جھونپڑے میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ مغرب کی طرف سے اُٹھائی گئی آندھیوں اور طوفانوں کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب نے آج اِس محاذ پر زوردار حملہ کیا ہے۔ اس کے حملے کا انداز ایسا ہے جیسے کہہ رہا ہو کہ ’’اِن گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دو!‘‘

ہمارے لیے اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف اندرونِ ملک بہت سے عناصر اِن مغرب زدہ این جی اوز کے ہاتھوں بِک گئے ہیں۔ خواتین کا عالمی سطح پر باقاعدہ دن منانا ظاہر کرتا ہے کہ جدید ذہن میں عورت کے کمتر ہونے کا احساس ہے اور جو خواتین اس میں پیش پیش ہیں وہ احساسِ کمتری کا بری طرح شکار ہیں اور دوسری طرف مذہبی طبقات غفلت اور اپنے کردار کی وجہ سے اِس طوفان کے آگے بند باندھنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ ان میں سے بھی اکثر نے شکم پروری کو فوکس کیا ہوا ہے۔ سیاسی مذہبی جماعتیں بَرملا یہ کہتی ہیں کہ ان کا اصل حریف وقت کا حکمران طبقہ ہے۔ وہ اپنے تمام جانی و مالی وسائل اپنے اِس ہدف یعنی حکمرانوں کے نیچے سے کرسی کھینچنے پر صَرف کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اِس جدوجہد میں بدترین سیکولر بلکہ ملحد قسم کے لوگوں سے بھی تعاون حاصل کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مذہبی جماعتیں اور تناظیم کرسی کی سیاست سے بالاتر ہو کر قومی سوچ کے ساتھ ساتھ ملی سوچ کو اپنائیں اور اپنا اصل ہدف آخرت کی کامیابی بنائیں‘ لہٰذا متحد ہو کر مغرب کی اِس یلغار کو روکیں اور اپنے معاشرتی نظام کو بچائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پردہ عورت کی عزت کا اصل ضامن ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ عالم اسلام معاشرتی جنگ اسلامی اقدار یا شعائر کے قلعہ میں محصور ہو کر ہی جیت سکتا ہے۔ معاشرتی نظام بچ گیا تو اِسی صورت میں ہم مستقبل کی ایسی نسل تیار کر سکیں گے جو مغرب کے اُٹھائے ہوئے اِس طوفان کے راستے میں چٹان بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنا دینی فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین! ❁❁

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 600 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 350 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 042-35869501-3

maktaba@tanzeem.org

Mar 2020
Vol.69
Regd. CPL No.115
No.3
Monthly Meesaq Lahore